ضابطہ

نام کتاب	روپ کنوار کماری
تحقیق، تدوین، تنقید و تشریح	ڈاکٹر سید تقی عابدی
پبلشرز	
پرنٹر	
قیمت	

انتساب

قلمی مرثیہ کے امین

جناب سید محمد حمید رضوی کے نام جن

کے قلمی نسخوں سے روپ کماری کے

اصلی روپ کو سنوارنے میں مدد ملی

ع: برستا ہے بہت نیساں گہر ہوتے ہیں کم پیدا (ناسخ)

فہرست

1۔ رو میں ہے رخشِ عمر 9

2۔ عرضِ حقیقت 11

3۔ مختصر سوانح عمری 13

4۔ خود نوشت (منظوم) 15

5۔ روپ کماری - افسانہ یا حقیقت 23

6۔ روپ کماری کا نعتیہ کلام 47

7۔ روپ کماری کا منقبتی کلام 59

8۔ روپ کماری کے ساقی ناموں کی جھلک 65

9۔ روپ کماری کی بھگتی شاعری کی جھلک 77

10۔ روپ کماری کے کلام کا کمال (انیسِ نسواں) 83

11۔ قطعات/ رباعیات (10 عدد) 105

12۔ سلام 1۔ (مطلع) دعائیں مانگی تھیں جس کی برسوں 109
جھکا کے سر ہاتھ اٹھا اٹھا کر

ا۔ مکتوب فضلِ رسول فضل

۲۔ قلمی نسخہ مع اصلاح

سلام 2۔ (مطلع) علی خلیفۂ برحق علی شہِ عادل 135

ا۔ قلمی نسخہ

13۔ مراثی (۵)

الف مرثیہ اوّل۔ (مطلع) بحرِ وحدت کی شناور ہے طبیعت میری 139

ا۔ قلمی نمونہ عکس ۲۔ (درحالِ رسولِ خدا) (137 بند)

ب۔ مرثیہ دوم۔ (مطلع) عروسِ نظم کی زینت ثنائے حیدرؑ ہے 189

ا۔ قلمی نمونہ عکس ۲۔ (درحال حضرت علی اصغرؑ) (167 بند)

ج مرثیہ سوم۔ (مطلع) زینتِ حجلۂ عفت ہیں جنابِ زہراؑ 249

ا۔ قلمی نمونہ عکس ۲۔ (درحالِ حضرت فاطمہؑ) (93 بند)

د مرثیہ چہارم۔ (مطلع) جہاں کا ورقِ زرنگار فانی ہے 287

ا۔ قلمی نمونہ عکس ۲۔ (درحالِ امام حسینؑ) (122 بند)

ھ مرثیہ پنجم۔ (مطلع) کون سا دل ہے کہ جو دل نہیں دیوانۂ عشق 333

ا۔ قلمی نمونہ عکس ۲۔ (درحال حضرت عباسؑ) (152 بند)

14۔ تائیدِ ایزدی 389
مطلع: تیرا کیسا پیارا پیام ہے کہ جو حق سے تجھ کو عطا ہوا
(منقبت حضرت علیؑ) (20 بند)

15۔ ساقی گلفام سے 397
مطلع: ثنا کا دور ہے ہمنام مصطفیٰ ﷺ ساقی
(منقبت امام عصرؑ) (9 بند)

16۔ کتابیات 403

رو میں ہے رخشِ عمر

نام : سید تقی حسن عابدی

ادبی نام : تقی عابدی

تخلص : تقی

والد کا نام : سید سبطِ نبی عابدی مصنف (مرحوم)

والدہ کا نام : سنجیدہ بیگم (مرحومہ)

تاریخ پیدائش : یکم مارچ 1952ء

مقام پیدائش : دہلی

تعلیم : ایم بی بی ایس (حیدرآباد، انڈیا)

ایم ایس (برطانیہ)

ایف سی اے پی (یونائیٹڈ اسٹیٹ آف امریکہ)

ایف آر سی پی (کنیڈا)

پیشہ : طبابت

ذوق : شاعری اور ادبی تحقیق وتنقید

شوق : مطالعہ اور تصنیف

قیام : ہندوستان، ایران، برطانیہ، نیویارک اور کینیڈا

شریکِ حیات : گیتی

اولاد : دو بیٹیاں (معصوما اور رویا) دو بیٹے (رضا اور مرتضیٰ)

تصانیف : 1۔شہید 2۔جوشِ مودّت 3۔تجزیہ یادگارِ انیس

4۔گلشنِ رویا 5۔رموزِ شاعری 6۔سلکِ سلام دبیر

7۔اظہارِ حق 8۔عروسِ سخن 9۔اقبال کے عرفانی زاو

10۔مصحفِ فارسی 11۔ابواب المصایب

12۔انشا اللہ خان انشا 13۔مجتہدِ نظم مرزا دبیر

14۔طالعِ مہر 15۔ذکرِ دُرباران

16۔مثنویاتِ دبیر 17۔کائناتِ نجم

زیرِ تالیف : تجزیہ شکوہ جواب شکوہ، فانی شناسی، رباعیاتِ دبیر

مصحفِ تاریخ گوئی، تعشق لکھنوی

عرضِ حقیقت

حقیقت اگر سچ کا دوسرا نام ہے تو سچ بات یہ ہے کہ روپ کماری پر یہ پہلی کتاب ہے۔ روپ کنوار کماری کے مختصر حالات ہمیں پانچ چھ کتابوں، رسالوں اور مقالوں میں ملتے ہیں جو عموماً چند سطروں پر ہر کتاب میں تکرار کئے گئے ہیں جن کے نام اور اقتباسات اس کتاب میں دئے گئے ہیں۔ روپ کماری کے دو مرثیے، ایک سلام، ایک مسدس اور ایک مخمس اس ستر (70) سال کے عرصے میں چند کتابوں اور رسالوں میں شائع ہوئے جو روپ کماری کے کلام کا نصف سے بھی کم حصہ ہے اور اُس میں بھی صرف ایک مرثیہ ''بادۂ عرفان'' اور ایک منقبت جو مخمس کی شکل میں ہے متعدد بار شائع ہوئی اور دیگر کلام صرف ایک آدھ بار منظر عام پر آ کر نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ گزشتہ سال ڈاکٹر اکبر حیدری کی کتاب ''ہندو مرثیہ گو شعرا'' میں روپ کماری کا دوسرا مرثیہ جو غیر مطبوعہ تھا شائع ہوا۔ ہماری اس کتاب میں روپ کماری کے پانچ مرثیے، دو سلام، ایک مسدس، ایک مخمس اور دس قطعات کے علاوہ روپ کی شخصیت، حیات اور فن پر راقم کی سیر حاصل گفتگو شامل ہے تاکہ اس عظیم شاعرہ کا خاطر خواہ تعارف ہو سکے۔

نادان دوستوں اور دانا دشمنوں نے روپ کی شخصیت کو صفحۂ سخن سے مٹا دینے میں کوئی کسر باقی نہ رکھی تھی لیکن بقول شاعر

ع۔ جس کا حامی ہو خدا اُس کو مٹا سکتا ہے کون؟

اب روپ اس کتاب میں حقائق روشن ہونے کے بعد مٹ نہیں سکتی۔ شاید راقم کی یہ کوشش روپ شناسی کا پہلا قدم ہو اور آنے والے محققین کے لیے جادہ سازی کا نیا اقدام بھی۔

روپ کماری کے کلام کا تحفظ اس لیے بھی ضروری ہے کہ اُردو ادب میں ایسا کلام انمول اور کمیاب ہے۔ روپ کماری نے اپنے کلام میں خود اپنے بارے میں جو معلومات فراہم کی ہیں اُسے راقم نے یکجا جمع کر کے انہی کی لکھی خود نوشت تیار کی ہے جو بڑی حد تک ان کی شخصیت اور حیات کو سمجھنے کے لیے کافی ہے۔

خیر اندیش

سید تقی عابدی

سوانح عمری

نام	:	روپؔ کنوار کماری (بعض مقامات پر دیوی روپ کماری، روپؔ کنور کماری، روپؔ کنواری اور روپؔ کماری لکھا ہے)
ساکن	:	آگرہ
خاندان	:	کشمیری پنڈت (منوہر لال زتشی نے مرحوم مسعود حسن ادیبؔ کو خط 17 مئی 1935 میں لکھا - روپؔ کماری صاحبہ ساکنہ آگرہ کے متعلق آپ نے کہا تھا کہ کشمیری پنڈت ہیں)
تخلص	:	(بعض مقامات پر روپؔ، بعض جگہ کنوارؔ اور بعض جگہ روپؔ کنوار لکھا ہے)
تعلیم	:	منشی فاضل (فارسی، اردو) انگریزی (ہائر سیکنڈری)
شاگردی	:	۱۔ فضل رسول فضلؔ پہرسری ۲۔ علامہ نجمؔ آفندی
دورِ تصنیف	:	تقریباً 7 سال (پہلا سلام اپریل 1931ء اور آخری مرثیہ نومبر 1937ء کا ہے)
دورِ حیات	:	نامعلوم (غالباً 1938ء سے قبل فوت ہوگئیں۔ 1937ء کے بعد بھی ان کا کلام شائع ہوتا رہا)

معتبر مدارک سے یہ پتہ چلتا ہے کہ روپؔ کنوار کماری نے کبھی شادی نہیں کی اور مجرد ہی جوانی میں اس دارِ فانی سے گزر گئیں۔ شاید اسی لیے روپؔ کے مطبوعہ مرثیہ ''بادۂ عرفان'' میں روپؔ کو ''مس روپؔ کنوار'' لکھا گیا ہے۔ روپؔ کی موت بھی ایک معمہ ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ ان کے کلام سے یہ بات واضح ہے کہ ان کی زندگی کو خطرہ تھا شاید روپؔ شہید کردی گئی ہو۔ بہرحال اگر روپؔ نے بسترِ مرگ پر بھی انتقال کیا ہے تو وہ بھی درجۂ شہادت ہی ہوگا جیسا کہ معتبر حدیث میں منقول ہے۔ ''جو محمدؐ اور آلِ محمدؐ کی محبت میں مر جائے وہ اس دنیا سے شہید اُٹھتا ہے۔''

روپ کماری

خودنوشت

(مختلف مرثیوں سے چُن کر)

بحرِ وحدت کی شناور ہے طبیعت میری
کو ہوئی مشرکوں کے گھر میں ولادت میری
کفر اور شرک سے ہے پاک جو طینت میری
ہوش آتے ہی بڑھی کفر سے نفرت میری
مئے توحید تھی گھٹی میں جو شامل ساقی
اس لیے طبع ہے اسلام پہ مائل ساقی
میکدہ جس کا بنا خانۂ قدرت وہ پلا
میرے پرماتما کو جس سے ہے رغبت وہ پلا
اس کا ہر گھونٹ نیا لطف یہ دکھلاتا ہے
اس کے پیتے ہی خدا ایک نظر آتا ہے
اس کا ہر جام ہے میرے لئے خالص ایمان
شیشۂ قرآن ہے پیمانہ حروفِ قرآن
آنکھ کھلتے ہی میں اس مئے کی طلب گار ہوئی
سولھویں سال کی آمد تھی کہ بیدار ہوئی
کفر اور شرک کے آغوش میں پالا اس نے
ڈوبی گنگا میں تو کوثر پہ نکالا اس نے
حق کی صورت نظر آئی تو نہ باطل ٹھہرا
کلمہ پڑھتے ہی تسکین ہوئی دل ٹھہرا
اس میں کچھ فخر نہیں ہے کہ سخن داں ہوں میں
حق کے محبوب کی مدّاحی پہ نازاں ہوں میں
کر دیا ہے مجھے مدّاحیِ سرورؑ نے نہال
بدر کی طرح سے پایا میری قسمت نے کمال
جب سے مدّاحوں میں سرورؑ کے جگہ ہے پائی
میں ہوں اور طعن عزیزوں کی ہے اور تنہائی
بارہا یہ دلِ مردہ سے ہے آواز آئی
بھاگ ان بردہ فروشوں سے کہاں کے بھائی
کیا غرض ان کو بہن ہوئے کہ مادر ہوئے
بیچ ہی ڈالیں جو یوسف سا برادر ہوئے
سُن کے تصنیف یہ بدخواہوں کی حالت ہے تباہ
زندگی پہ مری مرنے لگے انا للہ
میرے تصنیف کا سننا بھی سمجھتے ہیں گناہ
پہ مجھے کچھ بھی شکایت نہیں ایشور ہے گواہ
کوئی کہتا ہے حسد سے یہ نہیں اس کا کلام
بعض کا قول ہے تعلیم کا دیکھا انجام

کوئی کہتا ہے کہ ماں باپ کا اچھا کیا نام

سب یہ کہتے ہیں کہ مرغوب ہے اس کو اسلام

کوئی کہتا ہے دھرم خلق میں کھویا اس نے

کوئی کہتا ہے کہ نام اپنا ڈبویا اس نے

کوئی جل بھن کے حسد سے یہی کرتا ہے سخن

رام ایسا ہو کٹے اس کی زبان اس کا دہن

کمسنی میں تو یہ ہرگز بھی نہ تھا چال و چلن

جب جواں ہونے کو آئی تو سیکھا ہے یہ فن

ہوش آیا ہے تو مدہوشی کی یہ صورت ہے

دیوتا دیکھ کے کہتی ہے کہ یہ مورت ہے

کوئی کہتا ہے کہ غارت کرے اس کو بھگوان

کوئی کہتا ہے یہ انسان نہیں ہے شیطان

کوئی کہتا ہے کہ اسلام پہ ہے یہ قربان

کوئی کہتا ہے کہ دھرتی سے مٹے اس کا نشان

مثالِ اشک گرایا ہے سب نے نظروں سے

اشارا کر کے ستایا ہے سب نے نظروں سے

گِرا جو یوں مجھے پایا ہے سب نے نظروں سے

بڑا ہی جی کو جلایا ہے سب نے نظروں سے

زمانہ برسرِ جنگ است یا علی مددے

کمک بغیر تو تنگ است یا علی مددے

کسی کا قول ہے جادو کا ہے اثر اس پر

کوئی یہ کہتا ہے کیسا اٹھایا اس نے سر

ذرا بھی ڈر نہیں بھگوان اس کے دیدہ پر

کہ دیوتاؤں کو کہتی ہے یہ تو ہیں پتھر

نظر میں اس کے ہے یہ حال پاک دھرموں کا

یہ پھل ملا اسے اگلے جنم کے کرموں کا

کوئی یہ کہتا ہے اس نے ڈبویا قوم کا نام

کوئی یہ کہتا ہے کیا ہو گیا اُسے اے رام

کوئی یہ کہتا ہے کیا جانے اس کا ہو انجام

کوئی یہ کہتا ہے اس کو پسند ہے اسلام

میں جاہلوں سے پریشاں ہوں نہ کُلستی ہوں

وہ میرے حال پہ روتے ہیں اور میں ہنستی ہوں

کسی کا قول ہے ہے ننگِ خانداں کیسی

کوئی یہ کہتا ہے لڑکی ہے بد زباں کیسی

غرض ملائے ہوئے ہیں یہ ہاں میں ہاں کیسی

میں کہتی ہوں کہ یہ آخر چنیں چناں کیسی

رنج پہونچے کسی صورت مجھے یہ سوچتے ہیں

پانی پی پی کے غرض شام و سحر کوستے ہیں

کوئی کہتا ہے کہ اچھے نظر آئے نہیں طور

اس کے تیور ہیں جدا اس کی نگاہیں ہیں اور

قوم آزادی پہ اُس کے نہیں کرتی کچھ غور
دھرتی میں آیا ہے بھگوان یہ کس طرح کا دور

اس طرح عقل کسی دیوی کی برباد نہ ہو
کوستا ہے کوئی بھگوان یہ آباد نہ ہو

دن گزرتا ہے اسی طرح سے رنج و غم میں
ان کا قابو ہو تو ہم کو یہ مٹا دیں دم میں

اس کشاکش کے سبب دل ہے عجب عالم میں
ہم ہیں دنیائے تغیّر میں تغیر ہم میں

فکر میں ہیں سحر و شام کشاکشی دیکھو
جزو مد میں حق و باطل کی کشتی دیکھو

آئی اتنے میں یہ ہاتف کی صدا ہو نہ ملول
تو ہے اب فاطمہ زہراؑ کی کنیز مقبول

اب تو ہے سایا فگن سر پہ ترے فضلِ رسول
تیرے آزار کی کوشش میں ہیں دشمن یہ فضول

تیری پشتی پہ شہنشاہِ ہدا آئیں گے
تیری امداد کو اب شیرِ خدا آئیں گے

غیر مسلم ہوں بظاہر پہ ثنا گستر ہوں
یہ عقیدہ ہے کہ باطل پہ نہیں حق پر ہوں

اختلاجِ دلِ مضطر کی دوا ہے یہ ثنا
دردِ عصیاں کے لیے خاکِ شفا ہے یہ ثنا

طائروں کی جو زباں پر یہ ثنا آتی ہے
ہر نشیمن سے ہری ہر کی صدا آتی ہے

میں بھی ایک عاشقِ دل دادہ ہوں سُن اے بلبل
میرا معشوق ہے اک ماہ لقا غیرتِ گُل

حُسن کا جس کے زمانہ میں ہر ایک سمت ہے غُل
جس کے قبضہ میں ہے ایشور کی خدائی بالکل

ہے اُسی گُل کی محبت میں میرا حال زبوں
دل پہ جو میرے گزرتی ہے وہ کس سے میں کہوں

روز اس درد میں مر مر کے جیا کرتی ہوں
نام میں اپنے مسیحا کا جپا کرتی ہوں

دل اُدھر آیا ہے جب سے تو یہ حالت ہے اِدھر
چلتے ہیں دل پہ بیگانوں کی زباں کے خنجر

اک میری جانِ حزیں اور یہ ستم آٹھ پہر
ایسے جینے سے تو واللہ ہے مرنا بہتر

ہوگئی عشق میں رسوا نہ رہا عزّ و وقار
آفتیں ٹوٹ پڑی ہیں دلِ مضطر پہ ہزار

سیدھا ہونے نہ دیا ضعف نے آبرو کی طرح
گر گئی سب کی نگاہوں سے میں آنسو کی طرح

سوچتی ہوں کہ ہوئی ایسی خطا کیا مجھ سے
منہ چھپاتا ہے ہر ایک اپنا پرایا مجھ سے

پک گیا سارے عزیزوں کا کلیجہ مجھ سے
کیا ہوا دل نہیں ملتا جو کسی کا مجھ سے
اب یگانوں کی ملاقات کے قابل نہ رہی
عشق میں کیا میں پھنسی بات کے قابل نہ رہی

ایک دن وہ تھا کہ تھے غیر بھی سب مرے شفیق
آج بگڑا ہوا اپنوں کا بھی ہے طور و طریق
نہ کوئی دوست نہ ہمدم ہے نہ مونس نہ رفیق
قوم نالاں ہے تو آزردہ ہے ایک ایک فریق
منہ سے گر بات نکالوں تو گلہ ہوتا ہے
سچ تو یہ ہے کہ بُرا وقت بُرا ہوتا ہے

شاملِ حال ہے پر رحمتِ حق فضلِ رسولؐ
شیرِ حقؑ میری مدد پر ہیں تو کیوں ہوں میں ملول
غم نہیں اس کا جو کہتے ہیں کہیں مجھ کو جہول
میں نے اسلام کیا اُن کی محبت میں قبول
عشق اُن سے ہو حقیقی تو خدا ملتا ہے
ساغرِ عمر چھلکتے ہی مزا ملتا ہے

یہ وہ ہیں جن پہ فدا ہے میرے ایشور کا حبیب
یہی بندے تو ہیں بھگوان کی رحمت سے قریب
عشق میں ان کے شرف پایا ہے میں نے یہ عجیب
واہ میں بن گئی اللہ پیمبرؐ کی رقیب
عین حق میری رقابت ہے رقیب ایسی ہوں
دل میں گھر انکا بنا اُن کے قریب ایسی ہوں

گھر چھٹے بار چھٹے اپنا پرایا چھوٹے
عیش و آرام بھی چھٹ جائے تو اچھا چھوٹے
فکرِ کوثر میں جو چھٹتی ہے تو گنگا چھوٹے
دل سے لیکن نہ خیالِ شہہؑ بطحا چھوٹے
کلمہ لب پہ یہ ہو دل میں یہی یاد رہے
درد ان کا ہو تو پہلو میرا آباد رہے

روپ کنوار کماری - افسانہ یا حقیقت

(تشریح اور محاکمہ کی روشنی میں)

تشریح:

1۔ ڈاکٹر ہلال نقوی نے اپنے شاہکار مقالے ''بیسویں صدی اور جدید مرثیہ'' میں روپ کماری کے حوالے سے لکھا ہے کہ ''روپ کماری کا تذکرہ بعض لکھنے والوں نے کیا ہے لیکن اس کی شخصیت کے حوالے سے بعض ایسے پہلو ابھی تحقیق طلب ہیں جن پر لکھنے والوں کی نظر نہیں گئی لیکن کچھ حقائق سینہ بہ سینہ چلے آ رہے ہیں۔ میں نے روپ کماری کا مرثیہ ''بادۂ عرفان''، نسیم امروہوی کو بھیج کر اُن کی رائے معلوم کی۔ جواباً وہ 13 جولائی 1977ء کے خط میں لکھتے ہیں ''.....تم نے جس مرثیے کا ذکر کیا ہے وہ روپ کماری کا ہو ہی نہیں سکتا اس لیے کہ ان کا وجود محض تخیلاتی ہے۔ یہ مرثیہ فضل رسول پھپرسری نے کہا تھا، فضل رسول، روپ کماری کے استاد کی حیثیت سے مشہور تھے۔''

2۔ ڈاکٹر ہلال نقوی لکھتے ہیں نسیم امروہوی کے اس بیان کے بعد انہوں نے ایک تفصیلی خط ڈاکٹر صفدر حسین (لاہور) کو بھیجا تو موصوف نے اپنے مکتوب مرقومہ 26 جولائی 1977ء میں لکھا۔ ''روپ کماری کے دو تین مراثی میری نظر سے گزرے اور وہ سب روایت سے بچ کر تصنیف ہوئے ہیں ہر چند کہ محترمہ کا وجود تخیلاتی ہے لیکن ان کے استاد فضل رسول پھپرسری کا وجود تو فرضی نہیں جو ان کی مراثی کے اصل خالق ہوں گے اگر ان مراثی کو آپ استاد کی کھاتے میں ڈال دیں گے تو بھی جدید مرثیہ کے ارتقائی تسلسل میں ان کو کوئی مقام دینا ہوگا''...... ڈاکٹر صفدر حسین نے مزید اپنے دوسرے خط مرقومہ 12 ستمبر 1978ء میں لکھا کہ ''روپ کماری کو اگر آپ فرضی شخصیت ثابت کر دیں تب بھی ان کے نام سے منسوب مراثی (جن کی تعداد تین یا چار سے کم نہیں) کے اصل خالق یعنی فضل رسول شاگرد میر اُنس کا جدید مرثیے میں مقام متعین کرنا ہوگا۔ میں نے فضل رسول صاحب کا ایک پوسٹ کارڈ جو انہوں نے سلطان صاحب فرید کو روپ کماری کے متعلق لکھا تھا 1941ء میں دیکھا تھا اس لیے میں روپ کماری کو فرضی شخصیت نہیں سمجھتا''۔

3۔ ڈاکٹر ہلال نقوی مزید لکھتے ہیں۔ نجم آفندی صاحب کی زندگی کے بالکل آخری دور میں جب کہ وہ میرے مکان سے دو ڈھائی میل کے فاصلے پر (النور سوسائٹی فیڈرل بی ایریا کراچی میں) رہا کرتے تھے میں نے بہت پہلے ایک ملاقات (اگست 1971ء) میں تذکرۂ روپ کماری کے بارے میں دریافت کیا تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب وہ بہت گراں گوش ہو گئے تھے باتیں بھول بھی جایا کرتے تھے۔ میرا سوال سُن کر وہ کچھ دیر خاموش رہے سوچتے رہے پھر انہوں نے کہا کہ ''وہ مجھ سے اپنے مرثیہ پر اصلاح لے چکی ہیں۔''

4۔ ''ہندو مرثیہ گو شعرا'' میں پروفیسر اکبر حیدری روپ کماری کے تذکرہ کا آغاز ہی ان الفاظ سے کرتے ہیں۔ ''اردو مرثیہ نگاری میں محترمہ روپ کماری تخلص کماری اور کنوار کی شخصیت میری آنکھوں میں ایک معمہ بن کر پھر رہی ہے ان کے حالات زندگی مجھے کہیں نہیں دستیاب ہوئے۔ کوئی انہیں فضل رسول کے تلمذ میں شامل کرتا ہے اور کوئی علامہ نجم آفندی اکبر آبادی کے شاگردوں میں شمار کرتا ہے۔

روپؔ کنواری کا کلام نادر و نایاب ہو گیا ہے۔ جب میں نے بڑے بڑے کتب خانوں میں ان کے کلام کی دستیابی کے لیے خاک چھانی اور مجھے کوئی کامیابی نہیں ہوئی تو میں بڑا مایوس ہو گیا۔ آخر مجھے ایک مطبوعہ اور دوسرا قلمی نسخہ جناب سید محمد رشید صاحب کے کتب خانہ میں دریافت ہوئے۔ قلمی نسخہ کا ذکر کسی نے نہیں کیا۔ میرے خیال میں غالباً یہ غیر مطبوعہ ہے مطبوعہ نسخہ جس کا مطلع ہے۔ ع۔ عروسِ نظم کی زینت ثنائے حیدرؓ ہے۔ (161) بند پر مشتمل ہے اور یہ پانچویں مرتبہ فروری 1947ء میں مطبع یوسفی دہلی سے ایک ہزار کی تعداد میں چھپا تھا۔ اس کا عنوان ''بادۂ عرفان'' ہے۔ دوسرے غیر مطبوع مرثیہ کا مطلع ہے۔ ''جہاں کا ورقِ زرنگار فانی ہے۔''

5۔ ''مرثیہ نگارانِ اردو'' میں مرزا امیر علی جونپوری لکھتے ہیں۔ ''اسمِ گرامی محترمہ روپ کماری اور تخلص روپؔ کماری تھا۔ تلمذ سید فضل رسول فضل شاگرد اُنس۔ فارسی میں منشی کامل کا امتحان پاس کیا۔ آگرہ کے ایک باعزت برہمن خاندان سے تعلق تھا۔ اردو شاعری میں قصیدے، سلام، نوحے اور کئی مرثیہ کہے ہیں۔ ایک مرثیہ جو حضرت علی کی شان میں ہے نموتہً چند بند پیش ہیں۔ اصل مخطوطہ راقم کے ذخیرہ مراثی میں موجود ہے۔ آپ کا وطن آگرہ تھا۔ اس تحریر کے بعد امیر علی جونپوری صاحب نے چھ (6) بند پیش کیے ہیں۔

6۔ ''غیر مسلم مرثیہ نگار'' میں جناب سید امجد حسین لکھتے ہیں۔ ''روپؔ کنواریا روپؔ کنواری آگرے کے معزز خاندان سے تعلق رکھتی تھی۔ میر اُنس کے شاگرد سید فضل رسول سے تلمذ تھا۔ تاریخ پیدائش اور تعین زمانی صرف اس حد تک ممکن ہوئی بزرگوں سے معلوم ہوا کہ ستر وہ صد سالہ یادگار حسینی کے موقع پر یعنی 1944ء میں ان کے مرثیے کے کچھ بند بہ طرز نوحے پڑھے جاتے تھے۔ امیر علی نے ان کے بارے میں لکھا ہے کہ قصیدے سلام اور کئی مرثیے لکھے۔ مگر راقم الحروف کو یہی قصیدہ یا قصیدہ؍رثائیہ دیکھنے کو مل سکا اور یہ بہت مقبول بھی ہے۔

ع۔ عروسِ نظم کی زینت ثنائے حیدرؓ ہے

اس قصیدے کے نصف حصے کے بعد سے امام حسین کا تذکرہ شروع ہو جاتا ہے۔ جو ''رہِ وفا میں بہتر کا سر دیا شہؑ نے'' اس کی زبان میں وہ لوچ ہے کہ رثائیت کا طرۂ امتیاز ہے۔ صدقے، قربان جیسے الفاظ کا برمحل استعمال معنویت بخشتا ہے اور تخلیق کار اور تخلیق کے درمیان ہم آہنگی پیدا کرتا ہے، ان کے یہاں بھی کہیں کہیں اس انداز سے ہندی الفاظ آتے ہیں جو ان کی ہندوئیت کی پہچان بن گئے ہیں یہ دو بند دیکھیے۔

سپوت پوت یہی ہیں تیرے عرب ماتا
میں کہوں انھیں داتا کہ ہیں یہ اَن داتا
کیا ہے کام انہوں نے سدا خدا بھاتا
علی کے باب میں بس کچھ نہیں کہا جاتا
میں نا خدا لکھوں حیراں ہوں یا خدا ان کو
کہ کہنے والوں نے اللہ کہہ دیا ان کو

نبیؐ مدینۂ علم خدا علیؑ در ہیں
میرے نصیب میں حیدرؓ میرا مقدر ہیں
یہ بندے وہ ہیں جو بندوں میں بندہ پرور ہیں
جو حق کا شاہد و مقصود ہیں وہ گوہر ہیں
ہے ان کے در پہ عجب ترک تاز شاہوں کی
جھکی ہوئی ہے جبینِ نیاز شاہوں کی

7۔ ''رثائی ادب میں ہندوؤں کا حصہ'' کے مرتب جناب جعفر حسین خاں جونپوری نے بغیر کسی تمہید کے روپ کماری کے نام کے ساتھ ایک (181) بند کا مرثیہ۔ ع- عروسِ نظم کی زینت ثنائے حیدر ہے، ایک چودہ بند کا مسدس ''آخری فدیہ'' کے عنوان کے تحت اور ایک بیس (20) بند کا مخمس ''تائید ایزدی'' کے عنوان پر شائع کرتے ہوئے لکھا۔ ''ذیل کا مخمس محترمہ روپ کنواری صاحبہ (تلمیذ جناب سید فضل رسول صاحب المتخلص بہ فضل شاگرد حضرت اُنس اعلی اللہ مقامہ) کی تصنیف لطیف ہے اس خمسہ کے پانچ شعر پر مصنفہ نے مصرعے لگائے ہیں۔ باقی خمسہ مصنفہ ممدوحہ کی تصنیف ہے'' اس مخمس کا مطلع ہے۔ ''تیرا کیسا پیارا یہ نام ہے جو حق سے تجھ کو عطا ہوا۔''

8۔ جناب سید محمود نقوی مدیر ''حدیثِ دل'' نے اپنے مقالہ ''عہد حاضر کے غیر مسلم مرثیہ گو شعرا'' میں لکھا کہ ''محترمہ روپ کنور کا وہ مشہور مرثیہ کئی دہائیوں تک نوحہ خوانوں میں بہت مقبول رہا جس کا مطلع ہے:

رہِ خدا میں بہتر (72) کا خوں دیا شہؑ نے
میں ان کے صدقے برادر کا خوں دیا شہؑ نے
جناب قاسمِ مضطر کا خوں دیا شہؑ نے
جواں پسر علی اکبرؑ کا خوں دیا شہؑ نے
کئی پہر سے جو خشک وہ گلا بھی دیا
بس انتہا ہے کہ ششماہے کا لہو بھی دیا

9۔ مرثیہ ''بادۂ عرفان'' جس کا ذکر تقریباً تمام حضرات نے کیا ہے وہ پہلی بار 1932 اور پانچویں بار 1946ء میں شائع ہوا۔ اس مرثیہ کا 1946ء نسخہ میری ذاتی لائبریری میں موجود ہے۔ جس کے سرورق پر یہ عبارت نظر آتی ہے ''یہ وہ معرکتہ آلارا مرثیہ ہے جسمیں مضامین توحید فضیلت حضور سرور کائنات محمد مصطفیٰؐ ہیں۔ اس مرثیہ میں 165 بند ہیں۔

بر سائر انبیاً..... فضائل و مناقب حضرت شیرِ خدا سید الاوصیا امیر المومنینؑ کو طرز جدید اور بالکل نئے اور اچھوتے حسن بیاں کے ساتھ نظم کیا گیا ہے اگر آپ ایک تعلیم یافتہ ہندو عورت کے دلی جذبات اور مذہبی استغراق کی اصلی تصویر اپنے آئینہ دل میں کھینچنا چاہتے ہیں تو اس بے مثل و بے نظیر مرثیہ کا مطالعہ فرمائیں اور لطف اندوز ہوں

مصنفہ

محترمہ عالمہ و فاضلہ مس روپ کنوار صاحب تلمیذ جناب نجم آفندی

باہتمام

ادیب عصر سید نصیر زیدی الواسطی دہلوی۔ بے۔ اے۔ منیجر

فروری 1947 ازمطبع یوسفی دہلی شائع شد ربیع الثانی 1366ھ

تعداد طبع ایک ہزار

طبع پنجم قیمت بارہ آنے چھ پائی

یہی مرثیہ کچھ اضافہ کے ساتھ مطبع اثنا عشری لاہور سے ''جوش عقیدت'' کے عنوان سے شائع ہوا جس میں (186) بند ہیں۔

10۔ سلسلۂ اشاعت امامیہ مشن لکھنؤ کے آنریری سیکریٹری سید ابن حسین نقوی صاحب نے فروری 1973ء میں ''بادۂ عرفان'' کے مرثیہ سے چودہ (14) بند

منتخب کر کے جو حضرت علی اصغرؑ کی شہادت سے منسوب ہیں بعنوان مسدس ''رہِ خدا میں بہتر کا سر دیا تو نے'' مطبع سرفراز لکھنو سے شائع کر کے لکھا۔ ''یہ روپ کنوار مرحومہ کا وہ معرکتہ آلارا مسدس ہے جسے ہم اس سے قبل بیاض ''بدر العزا'' میں شائع کر چکے ہیں اور اب اس کے کثیر نشر و اشاعت کے پیشِ نظر امسال اپنے حسینی لٹریچر میں بصورت رسالہ بھی شائع کر رہے ہیں۔''

11۔ خطوط مشاہیر سید مسعود حسن رضوی ادیب مرتبہ ڈاکٹر نیر مسعود صفحہ 138 لکھتے ہیں۔

آج سے کوئی 58 سال قبل اُردو کے مشہور ادیب اور انشا پرداز منوہر لال زتشی کو روپ کماری کے حالات زندگی کے بارے میں طلب کاوش پیدا ہوئی تھی۔ وہ ادیب مرحوم کو مورخہ 17 مئی 1935ء کے خط میں لکھتے ہیں:-

''روپ کماری صاحبہ ساکنہ آگرہ جن کے مرثیے کے بند ''شباب'' میں چھپے ہیں۔ ان کے متعلق آپ نے کہا تھا کہ کشمیری پنڈت ہیں۔ غالباً آپ کو ڈاکٹر متین سے معلوم ہوا ہوگا۔ شباب کے مضامین کے لکھنے والے غالباً ڈاکٹر متین ہیں۔ ذرا ان سے روپ کماری صاحبہ کے بارے میں دریافت فرمائیے کہ وہ آگرہ کے کس خاندان سے تعلق رکھتی ہیں۔ آگرہ میں کشمیری پنڈتوں کے پندرہ بیس گھر ہیں۔ وہ اگر روپ کماری کو جانتے ہیں اور ان کے کلام سے واقف ہیں اور حالات بھی ان کو معلوم ہوں گے۔''

خط کا جواب کیا دیا گیا وہ معلوم نہیں ہوسکا۔

12۔ ''جذباتِ عقیدت'' میں سید ابن حسین نقوی 1938ء میں ''عرضِ حقیقت'' کے زیرِ عنوان لکھتے ہیں۔

''رسولؐ اور آلِ رسولؐ کے فضائل و مناقب کو دوست و دشمن سب نے پوشیدہ کیا۔ دوستوں نے تو اپنی جانوں کے خوف سے چھپایا اور دشمنوں نے دشمنی کے سبب سے۔ تاہم ان ذوات مقدسۂ کے طرزِ عمل سے یگانہ و بیگانہ کوئی بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔

محترمہ روپ کنواری صاحبہ اگرچہ ایک عالی خاندان برہمن کی لڑکی ہیں جن کو بظاہر رسولؐ اسلام اور ان کی آلِ طاہرہ سے کوئی خاص تعلق نہ ہونا چاہیے تھا لیکن اُن مقدس ہستیوں کے اعلیٰ کریکٹر کا نتیجہ ہے کہ محترمہ موصوفہ کا حق پسند ضمیر اُن کی مدح سرائی کر رہا ہے اور آپ گزشتہ چار سال سے مداحِ اہلبیتؑ و ائمہ معصومینؑ کا شرف حاصل کر رہی ہیں۔ چنانچہ آپ کی اکثر نظمیں اخبار و رسائل میں شائع ہو چکی ہیں، اور اس وقت آپ کی یہ چند نظمیں جو سرور اہلبیتؑ حضرت امیر المومنینؑ کی مدح میں ہیں ہدیہ ناظرین کرتا ہوں۔

محترمہ موصوفہ امتحان منشی فاضل پاس کر چکی ہیں اور انگریزی میں سیکنڈ ایر کی طالبہ ہیں۔ قدرت کی جانب سے آپ کو نکتہ رس اور دقیقہ سنج دماغ عطا ہوا ہے جس میں شاعری کی نازک خیالیاں اور بلند پروازیاں بدرجۂ اتم موجود ہیں۔ شاعری میں آپ کو میر اُنس اعلی اللہ مقامہٗ کے ارشد تلامذ جناب فضل رسول صاحب فضل سے شرف تلمذ حاصل ہے۔

13۔ ''رزم نگارانِ کربلا'' میں ڈاکٹر سید صفدر حسین نے صفحہ 369 الی 376 ایک پورا باب ''روپ کنوار'' کے عنوان قایم کر کے لکھا ہے۔

میں نویں جماعت کے امتحان میں کامیابی کے بعد گھر پر گرمیوں کی تعطیلات گزار رہا تھا۔ جب میرے بعض ہمسن عزیزوں نے نوچندی جمعرات کے

موقع پر جوگی پور موسوم بہ نجف ہند (ضلع بجنور) جانے کا پروگرام بنایا تھا اور غالباً 25 مئی 1933ء کو ہم قافلے کی شکل میں ایک ہفتے کے قیام کے خیال سے اس بابرکت دربار میں پہنچ گئے جو حضرت علیؓ کے ایک معجزے سے منسوب ہونے کی وجہ سے بہت مقدس سمجھا جاتا ہے۔ وہاں ایسے اجتماعات کے موقعوں پر عام طور پر دن رات مجالس عزا کا اہتمام ہوتا تھا۔ چنانچہ میں نے ایسی ہی ایک مجلس میں اپنے عزیز سید عباس حیدر مرحوم سے جو اپنے عہد کے مقبول و نامور سوز خواں تھے محترمہ روپؔ کنواری کا نام اور ان کا کلام بصورت سلام سنا جسکے چند شعر یہ تھے:

دعائیں مانگی ہیں ہم نے برسوں جھکا کے سر ہاتھ اٹھا اٹھا کر
ملا ہے تب مصطفیٰؐ سا بندہ خدا خدا کر خدا خدا کر
پیوں گی میں گنگا جل نہ ساقی گناہ سمجھوں جو دے برہمن
ثواب لے لے میں تیرے صدقے شراب طاہر پلا پلا کر
برنگِ گل داغ حُبِ حیدرؑ ہمارے سینے میں ہے نمایاں
یہ پھول رکھا ہے ہم نے دل میں بتوں سے نظریں بچا بچا کر
رحیم ہے تیرا نام ایشور معاف کر دے گناہ میرے
خطائیں مجھ سے ہوئی ہیں ظاہر کیے ہیں عصیاں چھپا چھپا کر
یہ میرے اشکوں کے چند قطرے سوا ہیں رتبے میں گنگا جل سے
کہ حوضِ کوثر پہ جا ملیں گے سقر کی آتش بجھا بجھا کر
خبر نہ جب تک کہ راہ کی تھی تو روپؔ تو کس بلا کی بھٹکی
عبث ہے پر اب یہ بت پرستی خدا خدا کر خدا خدا کر

اس واقعہ کے تقریباً دو سال بعد لکھنؤ کے قومی اخبار ''سرفراز'' کے محرم نمبر بابت 1354ھ (اپریل 1930ء) میں انہیں خاتون کا بیس بندوں کا ایک مخمس پڑھنے کو ملا جس کا پہلا مصرع یہ تھا:

''ترا کیسا پیارا یہ نام ہے کہ جو حق سے تجھ کو عطا ہوا'' اس مخمس کی پیشانی پر یہ تمہیدی نوٹ درج تھا:

''ذیل کا مخمس محترمہ روپؔ کنواری صاحبہ تلمذ جناب فضلِ رسول صاحب المتخلص بہ فضلؔ شاگرد حضرت اُنسؔ اعلیٰ اللہ مقامہ کی تصنیف لطیف ہے۔ اس خمسے کے پانچ شعروں پر مصنفہ نے مصرعے لگائے ہیں۔ باقی خمسہ خود مصنفہ ممدوحہ کی تصنیف ہے۔ موصوفہ فارسی میں منشی کامل کا امتحان پاس ہیں۔ انگریزی میں سیکنڈ ایئر کی طالبہ ہیں۔ آپ ایک ممتاز برہمن خاندان سے ہیں۔ مبداءِ فیض سے آپکو ملکہ شاعری خاص طور سے ودیعت ہوا ہے۔ چنانچہ گزشتہ چار سال سے (مراد یہ کہ 1931ء سے) آپ مداحِ اہلبیتؑ اور ائمہ علیہم السلام کا شرف حاصل کر رہی ہیں۔''

اس مخمس کو پڑھنے کے چند ماہ بعد ہم نے اوّل سید یوسف حسینؑ رواںؔ مرحوم سے چھتہ تقی حسین (میرٹھ) کی ایک مجلس میں موصوفہ کا شاہکار مرثیہ سنا اور پھر کچھ زمانے بعد اسی مرثیہ کو موضع مجھیڑہ (ضلع مظفر نگر) کی ایک مجلس میں میرٹھ کے مشہور مرثیہ خوان شیخ مطلوب حسین کثیرؔ نے اپنے والہانہ انداز میں سنایا۔ جس کا مطلع یہ تھا۔

عروسِ نظم کی زینت ثنائے حیدرؑ ہے
بیاں کا حُسن لطافت ثنائے حیدرؑ ہے
گلِ ریاضِ فصاحت ثنائے حیدرؑ ہے
خدا کی عین عبادت ثنائے حیدرؑ ہے
جو حق شناس ہیں ان کو ثنا یہ بھاتی ہے
یہی ثنا تو بہشتِ بریں دکھاتی ہے

اس مسدس کے ابتدائی سولہ (16) بندوں میں حضرت علیؑ کی مدح کے مختلف رنگ دکھا کر شاعرہ نے اپنے ممدوح کو خطاب کیا ہے۔ اس کے بعد مزید تیرہ (13) بندوں میں مختلف پہلوؤں سے حضرت علیؑ کی مدح کر کے ساقی کوثر کو خاص الفاظ میں یاد کیا ہے۔ اس کے بعد اپنی رغبتِ اسلام، اہلِ قبیلہ کی نکتہ چینیوں اور اعزہ کی سخت گیریوں کا تذکرہ کر کے واجب الوجود کے حضور اپنا سجدۂ عقیدت پیش کیا ہے۔ روپ کنوار نے خاتمۂ کلام کے طور پر مصائب امام حسینؑ پر ایک سرسری سی نظر ڈال کر مرثیہ کا رخ حضرت علی اصغرؑ کے عظیم حادثے کی طرف موڑ کر 26 بند اس موضوع پر کہہ کر اپنے جذبات کی شدت سے رقت کا سماں پیدا کر دیا ہے۔

14۔ ''نجم آفندی اپنے خطوط کے آئینے میں'' کے مولف جلیس ترمذی نے صفحہ (60) پر روپ کماری کو نجم آفندی کے شاگردوں میں شمار کیا ہے۔

محاکمہ- تحقیق اور حقائق کے تبصرے کی روشنی میں:

کہتے ہیں بڑے منہ کی چھوٹی بات بھی بڑی ہوتی ہے۔ ہمارے معاشرے کا ایک افسوس ناک مسئلہ کسی تحقیق کے بغیر بڑے موثر اور قاطعانہ انداز سے بیان دینا بھی ہے۔ سنی سنائی باتوں پر ایک شخص اعتبار کر کے صفحۂ قرطاس سے ایک پوری شخصیت کو مٹانے میں کامیاب ہو جاتا ہے مرحوم نسیم امروہوی کا بیان جو ہم نے اوپر پیش کیا ہماری اس بات کا ثبوت ہو سکتا ہے۔ جس میں موصوف نے کسی تحقیق اور شواہد کے بغیر روپ کماری کی شخصیت کو ایک تخیلاتی پیکر تراش کر فضل رسول جیسی بزرگ شخصیت پر بھی اپنی تحریر کا فضل و کرم دکھایا ہے۔

جہاں تک مرحوم ڈاکٹر صفدر حسین کے دونوں خطوط کا تعلق ہے ان کی تحریریں ضد و نقیض ہیں مرحوم ایک طرف روپ کماری کو تخیلاتی اور فرضی شخصیت مان کر ان مرثیوں کو فضل رسول کے جدید مرثیہ میں مقام تعین کرنے کی تلقین کرتے ہیں تو دوسری طرف صرف ایک پوسٹ کارڈ روپ کماری کے بارے میں فضل رسول کا دیکھ کر روپ کماری کو فرضی شخصیت ماننے سے انکار کر دیتے ہیں۔ انہی شک و شبہات کے باعث عوام ہی نہیں بلکہ خواص اور نامور محققین کو بھی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا چناں چہ پروفیسر اکبر حیدری نے اپنی تصنیف ''ہندو مرثیہ گو شعرا'' میں روپ کماری کے تذکرہ کا آغاز ہی ان الفاظ میں کیا کہ ''اردو مرثیہ نگاری میں محترمہ روپ کماری تخلص کماری اور کنوار کی شخصیت میری آنکھوں میں ایک معمہ بن کر پھر رہی ہے ان کے حالات زندگی مجھے کہیں نہیں دستیاب ہوئے کوئی انہیں فضل رسول کے تلمذ میں شامل کرتا ہے اور کوئی علامہ نجم آفندی اکبرآبادی کے شاگردوں میں شمار کرتا ہے۔''

یہ حقیقت ہے کہ اگر راقم کی ذاتی لائبریری واقع ٹورنٹو کینیڈا میں روپ کنواری کے ہاتھ سے لکھے مراثی جناب فضل رسول صاحب کے ہاتھ بنائی گئی اصلاح اور اصلاح کے تعلق سے لکھے گئے تفصیلی خطوط خود فضل رسول صاحب کے دستخط کے ساتھ موجود نہ ہوتے تو نوبت محاکمہ اور حقیقت تک نہیں پہونچتی اور روپ کماری تخیلاتی کریکٹر بن کر اردو ادب کی خلاؤں میں گم ہو جاتی۔ میرے عقیدے میں جس طرح کلام خدا قرآن حکیم کی حفاظت اور تحفظ کی ذمہ داری خود محافظِ اصلی نے اپنے ذمہ لے رکھی ہے اسی طرح اُن برگزیدہ شخصیتوں کی مدح اور ثنا میں لکھے جانے والے کلام کی حفاظت کی ذمہ داری بھی ایزدی باری نے لے لی ہے جنہوں نے اپنی ساری زندگی کلام اللہ کی تشہیر اور تحفظ میں صرف کر دی جس کا ایک اور ثبوت روپ

کنواری کا کلام بھی ہے۔ روپ کنواری کا اوریجنل کلام جو قلمی مرثیوں اور مخطوطات کی صورت میں میری لائبریری میں موجود ہے اُس میں پانچ مرثیے، دو سلام اور دس قطعات رباعیات، ایک مخمس اور مسدس شامل ہیں۔ تقریباً ساٹھ فیصد کلام خود روپ کنواری کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔ بعض نسخہ جات پر فضل رسول صاحب کی اصلاح، تشریح اور تعریف بھی موجود ہے۔ ان کے علاوہ خود فضل رسول صاحب کے ہاتھ کے لکھے ہوئے خطوط اصلی حالت میں موجود ہیں جن پر تاریخ ثبت ہے۔

میری دانست میں روپ کنواری کا دس فی صد سے بھی کم کلام منظرِ عام پر آیا اور وہی کلام متعدد بار مختلف کتابوں، رسالوں، جریدوں اور اخبارات میں مختلف عناوین سے شائع ہوتا رہا ہے۔ چناں چہ تقریباً وہ تمام کتابیں اور رسالوں میں شائع ہونے والے مطبوعہ کلام کی مطبوعہ کاپیاں بھی میرے پاس موجود ہیں۔ روپ کماری کا زیادہ تر کلام میرے پاس ایک عرصہ سے مطبوعہ اور غیر مطبوعہ حالت میں موجود تھا لیکن اس میں کچھ سال پہلے جناب سید محمد رشید صاحب کے کتب خانہ میں موجود روپ کماری کے کلام کی بعض قلمی کاپیوں سے اضافہ ہوا۔ اس مقام پر اگر میں برادرم جناب سید محمد حمید رضوی صاحب کے قلمی ذخیرہ کا ذکر نہ کروں تو زیادتی ہوگی جن کے ذخیرہ کی بدولت روپ کماری کے کلام کی دولت میں نہ صرف اضافہ بلکہ اس کے استحقاق کا جواز بھی فراہم ہوا۔ جزاک اللہ۔

یہ سچ ہے کہ روپ کنواری کی سوانح عمری اور خاندانی حالات کا استناد کے ساتھ تذکرہ موجود نہیں لیکن پھر بھی مرثیوں کی تمہیدوں، سلام اور مراثی کے شعروں اور خطوں کی سطروں سے زیادہ بین السطور کی روشنی میں یہ حالات دستیاب ہیں جو بڑی حد تک کافی ہیں اور ہماری اس کتابی کاوش کے بعد مزید ان حقائق کو تقویت پہونچے گی اور تخیلاتی پیکر کی جگہ پیکرِ اصلی سامنے آئے گا۔

روپ کنواری کی شخصیت کے بارے میں جو شبہات پیدا ہوئے اس کی اصلی وجہ حافظ کے مصرعہ کی مصداق ع- ''چوں ندیدن حقیقت رہ افسانہ زدند'' قرار پاتی ہے۔ برصغیر کا ماحول اسلامی معاشرے کی تہذیب، مجالس اور محافل کا ادب، جدید ٹیکنالوجی کے صوتی اور سمائی آلات کی عدم موجودگی اور سب سے زیادہ تعصبی افراد سے پردہ پوشی نے روپ جیسی گوشہ گیر خاتون کے روپ کو مستور کر دیا اور لوگ اس حقیقت کو افسانہ سمجھنے لگے۔ ہمیں اطلاع نہیں کہ استاد فضل رسول سے کبھی روپ کماری کی براہِ راست ملاقات ہوئی یا نہیں استاد فضل رسول نے اپنے ایک مرثیہ جو 1932ء کی تصنیف ہے جس کا مطلع ہے ع- ''حمدِ خدا بہار ریاض سخن کی ہے'' یہ مرثیہ (189) بند کا ہے اس کے مقطع میں روپ کنواری کے آلام کا ذکر اس کی حفاظت اور اس سے ملاقات کا بھی اظہار کیا ہے۔

بس فضل ہاتھ روک نہ لکھ اب حرم کے بین
کر عرض یہ حسینؑ سے یاشاہِ مشرقین
دیجئے کنیز فاطمہؑ زہرا کے دل کو چین
پہونچیں مدد کو اس کے شہِ فاتحِ حنین
کفار سے نجات دلا دیں کنیز کو
زینبؑ کا صدقہ مجھ سے ملا دیں کنیز کو

یہاں یہ توضیح بھی ضروری ہے کہ فضل رسول صاحب نے روپ کنوای کو ''کنیز زہراؑ'' کا خطاب دیا تھا جس کی ایک وجہ خود روپ کماری کے وہ اشعار ہیں جس میں اُس نے خود کو علیؑ کی داسی اور فاطمہ زہراؑ کی کنیز کہہ کر فخر کیا ہے۔ فضل

رسول فرماتے ہیں:

بتوں کو چھوڑا تو فرزندِ بوتراب ملا
جو گھر کو چھوڑا تو خلدِ بریں کا باب ملا
کیا جو کایا پلٹ روپ نے بہ فضلِ رسول
کنیزِ فاطمۂ زہرا اُسے خطاب ملا

ہمیں اُس خط کے مضمون کا بھی پتہ نہیں جس کا ذکر ڈاکٹر سید صفدر حسین نے ڈاکٹر ہلال نقوی کے خط مرقومہ 12 ستمبر 1978 میں کیا جس کو انہوں نے 1941 میں دیکھا تھا جو فضل رسول صاحب نے فرید لکھنوی صاحب کو لکھا تھا اس خط کے متن کو پڑھنے کے بعد موصوف اتنے مطمئن ہوئے کہ انہوں لکھا ''اس لیے میں روپ کماری کو فرضی شخصیت نہیں سمجھتا''۔ ہمیں یہ بھی اطلاع نہیں کہ علامہ نجم آفندی سے کبھی روپ کماری کی ملاقات ہوئی ہے۔ بہر حال اس میں کوئی شک نہیں کہ نجم اور روپ دونوں ہم عصر تھے، دونوں آگرہ سے تعلق رکھتے تھے، دونوں انقلابی روایات کے علم بردار تھے اور خود نجم نے اس بات کا اقرار کیا ہے کہ روپ نے مرثیوں پر ان کی اصلاح لی ہے۔ اور روپ کا شاہکار مرثیہ 'بادہ عرفان'' کے سرورق پر روپ کو نجم آفندی کا شاگرد بتایا گیا ہے جو 1946ء میں پانچویں بار یوسفی پریس دہلی سے شائع ہوا۔ اس بات کا قوی امکان ہے کہ فضل رسول کے انتقال کے بعد روپ کماری نے نجم آفندی کی شاگردی قبول کی ہو ویسے بھی اُن دنوں نجم آفندی کی سوتیلی بہن فرطیس بانو کج کلاہ جن کی ماں انگریز خاتون تھی عورتوں میں ممتاز شاعرہ تھیں اور ان کے مرثیوں کی دھوم برصغیر میں پھیلی ہوئی تھی شاید روپ سے ان کے تعلقات اور رسومات رہے ہوں گے۔

شہزادی فرطیس بانو اختر جہاں کج کلاہ جو پروین اور شریر تخلص کرتی تھیں ان کے پانچ دیوان، چار مثنویاں چھ مرثیے، قومی نظمیں، دو ناول اور ڈرامے ہمارے درمیان موجود ہیں۔ ان کے کلام میں غزل کے علاوہ نوحے بھی نظر آئے ہیں۔ پروین کے دو شعر یہاں خارج از محل تو ہیں لیکن ساتھ ساتھ خارج از بحل بھی ہیں۔

میں کسرائی وطن تہران مسکن گونڈ والی میں
خدا معلوم کیوں کر آ گئی اردو زباں مجھ کو
نہیں گر ثروتِ دنیا نہ ہو یہ فخر کیا کم ہے
امیر المومنین کا کہتے ہیں سب مدح خواں مجھ کو

بہر حال نجم آفندی کا ڈاکٹر ہلال نقوی کے سوال پر یہ فرمانا کہ روپ کماری نے مرثیوں پر اُن سے اصلاح لی ہے ہمارے لیے مزید کسی توضیح اور تحقیق کی ضرورت نہیں رکھتا۔ میرے علم میں روپ کنوار پُر گو شاعرہ نہیں تھی لیکن پھر بھی ان کا بہت سا کلام تلف اور ضائع ہو گیا ہوگا۔ مرثیوں کی تصانیف اور کاغذات کی طبعی بوسیدگی اور طرز تحریر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ مرثیے 1931ء اور 1939ء کے عرصے میں تصنیف ہوئے اور پھر اسی کلام کے متعدد نمونے مختلف مطبعوں سے مختلف مقامات پر شائع ہوتے رہے۔

روپ کماری کے موجود دستیاب شدہ کلام کی تفصیل کچھ اس طرح ہے۔

الف۔ مراثی پانچ عدد (جن میں (2) مرثیے مطبوعہ اور تین مرثیے غیر مطبوعہ ہیں جو پہلی بار اس کتاب میں پیش کئے جا رہے ہیں)

ا۔ مطلع: ''سحرِ وحدت کی شناور ہے طبیعت میری'' (غیر مطبوعہ) درحالِ جناب رسولؐ خدا (137) بند اس میں مطلع ثانی بھی ہے۔

''زینتِ بزمِ فصاحت ہے محمدؐ کی ثنا''

آخری صفحہ پر تاریخ 20 نومبر 1937ء مرقوم ہے۔

۲۔ مطلع: ''عروسِ نظم کی زینت ثنائے حیدرؑ ہے'' (مطبوعہ) (بادۂ عرفان) (167) بند چہرہ منقبت حضرت علیؑ، حالِ حضرت علی اصغرؑ تصنیف، 20 جولائی 1931ء

۳۔ مطلع: ''زینتِ حجلۂ عفت ہیں جنابِ زہراؑ'' (غیر مطبوعہ) (95) بند، چہرہ منقبت حضرت فاطمہؑ، روپ کی زندگی، شہادت حضرت فاطمہؑ، تصنیف 14 اکتوبر 1931ء

۴۔ مطلع: ''کون سا دل ہے کہ جو دل نہیں دیوانۂ عشق'' (غیر مطبوعہ) (152) بند، حال حضرت عباسؑ تصنیف 6 جنوری 1933ء

۵۔ مطلع: ''جہاں کا ورقِ زرنگار فانی ہے'' (مطبوعہ) (122) بند۔ حالِ حضرت امام حسینؑ۔

ب۔ ایک مخمس۔ عنوان ''تائید ایزدی'' (20) بند (مطبوعہ) حضرت علیؑ کی شان میں۔

مطلع: ''تیرا کیسا پیارا یہ نام ہے جو حق سے تجھ کو عطا ہوا''

ج۔ دو سلام۔ ایک سلام کے چند اشعار مطبوعہ ہیں۔

مطلع: ''دعائیں مانگی تھی جس کی برسوں جھکا کے سر ہاتھ اٹھا اٹھا کر'' (22) اشعار تصنیف 1931ء اپریل۔ (اس کے صرف سات شعر شائع ہوئے)

مطلع: ''علی خلیفہ برحق علی شۂ عادل'' (غیر مطبوعہ) (15) اشعار، تصنیف اپریل 1935ء

د۔ مسدس۔ ساقی گل فام سے۔ (منقبت) 9 بند۔ (27) شعر مطبوعہ 1938ء

ہ۔ گیارہ رباعیات اور قطعات (غیر مطبوعہ) تصنیف 1935ء

کل تعداد اشعار	:	2158
تعداد مطبوعہ	:	955
تعداد غیر مطبوعہ	:	1103

نوٹ: ''آخری فدیہ'' کے عنوان سے جو چودہ (14) بند کا مسدس امامیہ مشن لکھنؤ سے 1973 اور اس سے قبل بیاض ''بدر العزا'' میں شائع ہوا تھا جس کا مطلع ہے۔

''ع: رہ خدا میں بہتر (72) کا سر دیا شہؑ نے'' درحقیقت کوئی جدید مرثیہ یا مسدس نہیں بلکہ بادۂ عرفان مرثیہ کے ہی بند ہیں جنہیں جداگانہ طور پر شائع کیا گیا اسی لیے اس کو علیحدہ طور پر بیان نہیں کیا گیا۔

روپ کماری کا کلام شباب، ساچار، سرفراز، نظارہ، اور درجنوں دوسرے رسالوں، مجلّوں اور جریدوں میں شائع ہوتا رہا، روپ کماری کے مختصر حالات اور نمونۂ کلام ان کتابوں اور کتابچوں میں نظر آتے ہیں۔

1۔بادۂ عرفان مطبع یوسفی، دہلی 1947ء سید نصیر زیدی الواسطی
2۔جذباتِ عقیدت مطبع نظامی، لکھنؤ 1937ء سید ابن حسین نقوی
3۔آخری فدیہ (مسدس) مطبع سرفراز، لکھنؤ 1973ء سید ابن حسین نقوی
4۔رزم نگارانِ کربلا مطبع سنگِ میل پبلی کیشنز 1977ء ڈاکٹر صفدر حسین
5۔مرثیہ نگارانِ اُردو مرزا امیر علی بیگ جون پوری
6۔غیر مسلم مرثیہ نگار سید امجد حسین
7۔رثائی ادب میں ہندوؤں کا حصہ اردو پبلشرز، دہلی 1983ء جعفر حسین جون پوری
8۔ہندو مرثیہ گو شعرا شاہد پبلی کیشن، دہلی 2004ء پروفیسر اکبر حیدری
9۔بیسویں صدی اور جدید مرثیہ محمدی پبلی کیشن، کراچی 1994ء ڈاکٹر ہلال نقوی
10۔تائید ایزدی مخمس

ممتاز مرثیہ نگار مرحوم نسیم امروہوی نے اپنے مکتوب میں روپ کماری کے وجود کو محض تخیلاتی کہہ کر ان کے مرثیہ کو فضل رسول کا مرثیہ بتایا ہے۔

سوال یہ ہے کیا نسیم امروہوی نے روپ کماری کے تمام کلام کو پڑھا تھا؟ 1931ء سے 2004ء تک صرف روپ کماری کا ایک مرثیہ شائع ہوا جس کا عنوان ''بادۂ عرفان'' ہے۔ اس مرثیہ کا مطلع ہے۔ ع عروسِ نظم کی زینت ثنائے حیدرؑ ہے۔ یہ مرثیہ متعدد بار مختلف مقامات سے اور اس کے کچھ علیحدہ بند دوسرے عنوانات کے ساتھ برصغیر میں شائع ہوئے مرحوم نسیم امروہوی کو صرف یہ ایک ہی مرثیہ دستیاب تھا۔ اس مرثیہ کا اصلی قلمی مخطوطہ خود روپ کماری کے ہاتھ سے لکھا ہوا ہے جو میرے ذاتی کتب خانہ میں موجود ہے۔ اس کے علاوہ اس مرثیہ کا وہ قلمی مخطوطہ جس پر فضل رسول صاحب کی اصلاح موجود ہے وہ بھی میرے پاس موجود

ہے اور دونوں قلمی مرثیوں کی فوٹو کاپیاں اس کتاب میں پیش بھی کی گئی ہیں۔ یہ سچ ہے کہ اس مرثیہ پر فضل رسول صاحب کی اصلاح کی گہری چھاپ ہے انہوں نے روپ کی بھگتی شاعری کو لکھنؤ کی شاعری اور دبستانِ انیس کے رنگ میں رنگ دیا۔
روپ کماری نے کہا ہے:

مدد کا وقت ہے مہراج سخت آفت ہے
میں کھل کے کہہ نہیں سکتی جو دل کی حالت ہے

استاد فضل رسول نے اسے یوں بدل دیا:

مدد کا وقت ہے مولا بڑی مصیبت ہے
میں کھل کہ کہہ نہیں سکتی جو دل کی حالت ہے

روپ کماری کا دوسرا مرثیہ پروفیسر اکبر حیدری نے 2004ء میں اپنی کتاب ''ہندو مرثیہ گو شعراء'' میں شائع کیا جس کا مطلع ہے۔ جہاں کا ورقِ زرنگار فانی ہے۔ یہ مرثیہ جناب رشید صاحب لکھنوی کی ملکیت تھا اب اس کا اصلی قلمی نسخہ میرے پاس موجود ہے۔ مزید اس کتاب میں ہم نے روپ کماری کے تین غیر مطبوعہ مرثیوں کو پہلی بار پیش کیا ہے جن کے مطلع یہ ہیں۔

1۔ بحرِ وحدت کی شناور ہے طبیعت میری (137) بند
2۔ کون سا دل ہے کہ جو دل نہیں دیوانۂ عشق (150) بند
3۔ زینتِ حجلۂ عفت ہیں جنابِ زہراؑ (95) بند

ان مرثیوں کے علاوہ دو سلام۔ ا۔ ع: ''دعائیں مانگی تھی جس کی برسوں جھکا کے سر ہاتھ اٹھا اٹھا کر''۔ ۲۔ ''علیؑ خلیفۂ برحق علیؑ شہِ عادل'' کے علاوہ دس رباعیات اور قطعات جو غیر مطبوعہ تھے پہلی بار اس کتاب میں شائع ہوئے ہیں جن کا

علم مرحوم نسیم امروہوی کو نہ تھا چناں چہ روپ کماری کے تمام کلام میں صرف ایک مرثیہ کو دیکھ کر موصوف نے روپ کے وجود سے انکار کر دیا۔ سوال یہ ہے کیا مرحوم نسیم امروہوی نے فضل رسول کے تمام مرثیہ دیکھے تھے۔ میرے ذاتی کتب خانہ میں چالیس کے قریب فضل رسول کے مرثیے موجود ہیں یہ تمام مرثیے غیر مطبوعہ ہیں اور جہاں تک میری معلومات ہیں کبھی نسیم امروہوی کے پاس نہیں رہے۔ فضل رسول صاحب کا انتقال لکھنؤ میں 1940ء کے لگ بھگ ہوا۔ اس بات کا امکان ہے کہ ایک دو مرثیے نسیم امروہوی صاحب نے لکھنؤ میں ان سے سنے ہوں گے۔

مجھے یقین ہے اگر مرحوم نسیم امروہوی فضل رسول صاحب کے مرثیوں پر سرسری نگاہ بھی ڈال لیتے تو روپ کماری کے مرثیوں کو فضل کے مرثیے نہ کہتے۔ فضل رسول کا رنگ صد در صد جدا ہے وہ میر انیس کے منجھلے بھائی اُنس کے ارشد شاگردوں میں شمار ہوتے ہیں۔ ان کا کلام دبستان انیس کی بہار سے تازہ ہے جب کہ روپ کماری کی شاعری بھگتی شاعری کی پہچان ہے شاید روپ کے کلام میں جو بعض ہندی کے ادق الفاظ نظر آتے ہیں اس کے معنی و مفہوم سے فضل رسول صاحب لغت کی مدد سے واقف ہوئے ہوں۔ بہر حال روپ کماری کے وجود سے انکار عادلانہ اقدام نہیں۔ راقم نے فضل رسول اور روپ کنواری کے مرثیوں میں غضب کا جداگانہ رنگ پایا ہے لیکن جو رشتہ استاد اور شاگرد کو باندھے ہوئے ہے وہ عشق آل محمدؐ کی رسی ہے جو نظم کی صورت میں نظر آتی ہے۔

جہاں تک ڈاکٹر سید صفدر حسین مرحوم کی تحریر کا تعلق ہے اس میں شک و یقین کی ملاوٹ نظر آتی ہے ایک خط میں وہ اس بات کو قبول کر کے کہ روپ کا وجود تخیلاتی ہے اسے فضل رسول کا کلام بتا کر اسے جدید مرثیہ میں مقام دلانے پر اصرار

کرتے ہیں جب کہ فضل رسول مرحوم کے کلاسیک مرثیوں کا تعلق جدید مرثیوں سے ہو ہی نہیں سکتا۔ دوسری طرف روپ کماری کے بارے میں فضل رسول صاحب کا ایک خط فرید لکھنوی کے نام دیکھ کر روپ کو فرضی شخصیت ماننے سے انکار کرتے ہیں۔

میرے کتب خانہ میں فضل رسول مرحوم کے ہاتھ سے لکھے ہوئے تفصیلی اصلاحی خطوط روپ کماری کے نام ہیں۔ اس کتاب میں دو ایسے خط پیش کیے گئے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ جب ایک آدھ خط فضل رسول صاحب کا شخص ثالث کے پاس دیکھ کر ڈاکٹر صفدر حسین مرحوم روپ کی شخصیت کا انکار نہیں کر سکتے تو راقم ان کے ہاتھ سے لکھے ہوئے مرثیوں، سلاموں، قطعوں اور خطوں کو دیکھ کر کس طرح منکر اِن شخصیت روپ کے دعوؤں کا اقرار اور ان کی گفتگو کا اعتبار کر سکتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ روپ کماری ایک گوشہ گیر خاتون تھیں انہوں نے سوائے مدح محمدؐ و آلِ محمدؐ کسی اور کی ثنا نہ کی۔ روپ نے غزل اور دوسری اصناف میں شاعری نہیں کی۔ جب ان کی زندگی رشتہ داروں اور سماجی ماحول سے مشکلات کا شکار ہو گئی تو شعر کہہ کہہ کر خون کے آنسو بہائے۔ روپ کی موت پر بھی روپ کی زندگی کی طرح پردے پڑے رہے۔ قیاس یہ ہے کہ روپ کنواری جوانی ہی میں اس دارِ فانی سے گزر گئی۔ شاعرہ ہونے کی وجہ سے منظر عام پر مرثیہ یا منقبت سنا نہ سکی لیکن ان کا کلام تمام بڑی محفلوں میں لوگ سنایا کرتے تھے اور مسلسل مختلف رسالوں اور جریدوں میں شائع ہوتا رہتا تھا۔ ڈاکٹر صفدر حسین ''رزم نگاران کربلا'' میں لکھتے ہیں ''25 مئی 1933ء کو جب ہم قافلے کی شکل میں اس بابرکت دیار میں پہنچ گئے جو حضرت علیؑ کے ایک معجزے سے منسوب ہونے کی وجہ سے بہت مقدس سمجھا جاتا ہے۔ میں نے وہاں ایک مجلس میں سید عباس حیدر مرحوم جو اپنے عہد کے مقبول و

نامور سوز خواں تھے محترمہ روپ کنواری کا نام اور ان کا کلام بصورت سلام سنا۔

سچ تو یہ ہے کہ ہزاروں مرثیہ گو شعرا اور شاعرات میں روپ کماری کا روپ بھگتی شاعری کا روپ ہے۔ روپ کا رنگ اور روپ منفرد ہے۔ ہم اس عظیم شاعرہ کی حقیقت کو بعض بے بنیاد باتوں سے افسانہ نہیں بنا سکتے۔ روپ کو جن لوگوں نے دل کی نگاہوں سے دیکھا وہ کیسے انکار کر سکتے ہیں۔ بقول حافظ:

؎ چوں ندیدند حقیقت رہ افسانہ زدند

یعنی چوں کہ حقیقت کو دیکھ نہیں سکے اس لیے افسانہ سمجھ بیٹھے۔

روپ کی شاعرانہ عظمت کو نمایاں کرنے کے لیے ان کے استاد فضل کا یہ قطعہ کافی ہے:

مرثیہ کے ترے مضموں ہیں اے روپ نفیس
چست بندش ہے زباں صاف ہے الفاظ سلیس
دیکھکر اس کو یہ ہے فضل کی پیش گوئی
ہے تو طبقۂ نسواں کی زمانہ میں انیس

روپ کماری کا نعتیہ کلام

روپ کماری نے یوں تو اپنے پورے کلام میں سید المرسلین ختمی مرتبت حضور اکرم کی مدحت سرائی کی ہے لیکن وہ مرثیہ جو حضورؐ کے احوال سے منسوب ہے اس میں عمدہ اور نادر مضامین کی تصویر کشی کی ہے جس میں بھگتی شاعری کی چاشنی بھی موجود ہے۔ اگر چہ باعثِ خلقت کونین محمد مصطفیٰ کی ثنا و مدحت کو روپ ناممکن جانتی ہے۔

کیا ثنا اُس کی جسے خلق میں سب نے چاہا
کیا ثنا اُس کی بنا کر جسے رب نے چاہا

لیکن اس پر فخر کرتے ہوئے کہتی ہیں:

بعد مرنے کے میں فردوس میں جب جاؤں گی
تب صلہ نعتِ محمدؐ کا وہاں پاؤں گی

اور کبھی دل کو یوں ڈھارس دیتی ہیں۔

اب زباں رکتی ہے میری نہ قلم رکتا ہے
چپ رہوں وصفِ محمدؐ میں تو دم رکتا ہے
آپ کا گر کرم و لطف و عنایت ہو جائے
میری اس حمد کی اور نعت کی شہرت ہو جائے

آج سے تقریباً سو سال قبل علامہ نجم آفندی کے والد بزم آفندی نے حضورؐ کی شان میں بڑا خوبصورت اور اچھوتا شعر کہا تھا۔

ایک دن عرش پہ محبوب کو بلوا ہی لیا
ہجر وہ غم ہے خدا سے بھی اٹھایا نہ گیا

روپؔ نے تقریباً اسی مضمون کو یوں نظم کیا ہے۔

یا نبیؐ آپ کے اونچے ہوئے کس درجہ نصیب
بات پردہ کی ہے معراج کا قصہ ہے عجیب
جو نہ جانے وہ نہ جانے کہ ہے کیا ہجرِ حبیب
فرقتِ دوست میں ہوتا نہیں آرام نصیب
بے بُلائے ہوئے محبوب کے چارہ نہ ہوا
ہجر وہ شئے ہے خدا کو بھی گوارہ نہ ہوا

روپؔ نے اپنے مرثیوں میں قدسی کی نعت کے مصرعہ کو بھی خوبصورتی کے ساتھ نظم کیا ہے۔

ان پہ مر جانے کو سمجھی ہوں حیاتِ ابدی
یہی ہادی یہی رہبر ہیں دلا فہمیدی
واہ کیا کہہ گیا حضرت کی ولا میں قدسیؔ
مرحبا سیدِ مکی مدنی العربی
دل و جاں تم پہ ہو قربان مدینے والے
اہلِ دیں بادۂ الفت کے ہیں پینے والے

روپؔ کنوار کماری ثنائے رحمت اللعالمین کو ایسی عبادت تصور کرتی ہے جس میں حمد کی خوشبو شامل ہے۔ سرکارِ دو عالمؐ کی ثنا کیا ہے روپؔ کے روپ میں پڑھیے۔

زینتِ بزمِ فصاحت ہے محمدؐ کی ثنا

گوہرِ تاجِ بلاغت ہے محمدؐ کی ثنا
رونقِ تختِ طلاقت ہے محمدؐ کی ثنا
ہاں کلیدِ درِ جنت ہے محمدؐ کی ثنا
خلق میں بندوں پہ اللہ کی رحمت یہی
ہیں جو گمراہ انہیں راہِ ہدایت ہے یہی
نیّرِ بُرجِ رسالتؐ ہے محمدؐ کی ثنا
ثمرِ منزلِ جنت ہے محمدؐ کی ثنا
کوکبِ راہِ ہدایت ہے محمدؐ کی ثنا
نجمِ تابندۂ قدرت ہے محمدؐ کی ثنا
جس طرح سب کے لیے حمد خدا واجب ہے
بس اُسی طرح محمدؐ کی ثنا واجب ہے
بابِ رحمت ہے درِ فضلِ خدا ہے یہ ثنا
جس کا ایشور ہے ثنا خواں وہ ثنا ہے یہ ثنا
ہر ثنا سے ہے جدا سب سے سوا ہے یہ ثنا
میرے ایشور میں کہوں کیا اسے کیا ہے یہ ثنا
خود وہ اعلیٰ ہے جو اس مدح کا متوالا ہے
سب ثناؤں میں محمدؐ کی ثنا بالا ہے
اختلاجِ دلِ مضطر کی دوا ہے یہ ثنا
دردِ عصیاں کے لیے خاکِ شفا ہے یہ ثنا
کیا کہوں کیا نہ کہوں کس کی ثنا ہے یہ ثنا

نعتِ احمدؐ کہوں یا حمدِ خدا ہے یہ ثنا
طائروں کی جو زباں پر یہ ثنا آتی ہے
ہر نشیمن سے ہری ہر کی صدا آتی ہے

کیوں نہ ہو عرش کی ہمتا یہ ثنائے عالی
گلشنِ مدح کے پودوں کا خدا ہے مالی
اے ثنا والے یہ لونڈی ہے تری متوالی
صفتیں تیری کتابوں میں ہیں دیکھی بھالی
غیر مسلم ہوں بظاہر پہ ثنا گستر ہوں
یہ عقیدہ ہے کہ باطل پہ نہیں حق پر ہوں

یہ ثنا مژدۂ بخشش ہے ثنا خواں کے لیے
شمعِ اسلام کا جلوہ ہے مسلماں کے لیے
دل ہے انساں کے لیے جاں ہے نبیؐ جاں کے لیے
بُو ہے گلشن کے لیے روح ہے ریحاں کے لیے
صبح سب طاعت خلّاق ادا کرتے ہیں
غنچے کِھل کِھل کے محمدؐ کی ثنا کرتے ہیں

نعتیہ مضامیں میں ایک نانوی مضمون حضرت کا سایا نہ ہونا بھی ہے جس پر فارسی اور اُردو شعرا نے نئے نئے انداز میں طبع آزمائی کر کے نئے نئے مضمون تراشے ہیں۔ مرزا دبیرؔ نے معراج نامہ میں تقریباً بیس (20) سے زیادہ نادر مطالب نکالے ہیں۔ روپؔ کماری نے بھی حضورؐ کے احوال سے منسوب مرثیہ میں تقریباً بیس (20) بند میں یہ مضامین باندھیں ہیں جس کا لطف تو پورے مرثیہ کے

ساتھ بند پڑھنے سے ہی حاصل ہوسکتا ہے لیکن اس مقام پر ہم چند بند سایہ کے مضمون پر پیش کریں گے تاکہ اس عظیم شاعرہ کی قوتِ تخلیق کا اندازہ ہوسکے۔ کہتی ہیں:

میں یہ سنتی ہوں قدِ پاک کا سایا بھی نہ تھا
لاکھ کی فکر ولیکن یہ معمّا نہ کھلا
متعجب بھی ہوئی بے حد کہ تعجب کی تھی جا
ناگہاں بڑھ کے میری عقلِ رسا نے یہ کہا
بھید دنیا میں کسی نے نہیں پایا ان کا
مجھ سے سُن حیدرِ کرّار ہیں سایا ان کا

اور ایک وجہ مرے ذہن میں آئی اس آن
جس سے واثق ہوا کچھ اور نہ سایا کا گماں
یعنی خورشیدِ رسالتؐ ہیں شہنشاہِؐ زماں
جب ہیں خورشید تو خورشید کا سایہ ہے کہاں
ماہ کو کہیے اگر مہرِ مبیں کا سایہ
تب بھی ثابت ہو کہ حیدرؓ ہیں انہیں کا سایہ

ہے یہ مشہور نہ تھا سایۂ محبوبؐ خدا
پُر میں بے خوف یہ کہتی ہوں کہ ہاں سایہ تھا
وہی سایہ تھا جو سایہ کی طرح ساتھ رہا
جس کو قرآن میں ایشور نے کہا انفسنا
کبھی کعبہ میں کبھی عرش پہ پایا اُس کو
نہ کہوں پھر بھی محمدؐ کا میں سایا اُس کو

احمدؐ پاک کے سایہ کو احد سے پوچھو
یا اسے فاطمۂ بنتِ اسد سے پوچھو
کینہ جُو سے نہ کسی اہلِ حسد سے پوچھو
میں پتا سایہ کا بتلاؤں جو کد سے پوچھو
پردہ معراج میں خود کھول رہا تھا سایہ
حق کا لہجہ تھا مگر بول رہا تھا سایہ

اور ایک وجہ سناؤں جو کبھی ہو نہ سُنی
طورِ سینا پہ وہ موسیٰؑ کی صدائے اَرنی
خود ہی اُن پہ وہ بنی جو بنائے نہ بنی
تجھ پہ قربان میں اے سایۂ شاہِ مدنی
طور پر حضرتِ موسیٰؑ کو جو غش آیا تھا
نور جس کا نظر آیا وہ یہی سایا تھا

لوگ کہتے ہیں کہ ہے آپکا سایہ معدوم
پر میں اب کھولتی ہوں رازِ خدائے قیوم
چار سو خلق میں سایہ کہ نہونے کی ہے دھوم
لو بتاتی ہوں تمہیں میں جو ہے مجھ کو معلوم
قول قرآں کا یہ ہے ظلِ الٰہی ہیں حضورؐ
اب تو ثابت ہوا یہ نور کا سایہ بھی ہے نور

میں یہ کہتی ہوں نہ جانے کوئی کیا کیا سمجھا
کوئی اس سایہ کو رشکِ یدِ بیضا سمجھا

کوئی اللہ کی قدرت کا نمونہ سمجھا
اصلیت اس کی مَلک سمجھا نہ بندہ سمجھا
دی جو قرآں نے گواہی اُسے میں سمجھی ہوں
حق یہ ہے ظلِ الٰہی میں انہیں سمجھی ہوں

زیرِ سایہ اسی سایہ کے ہے سنسار کا باغ
اس کو سایا کہوں یا بزمِ دو عالم کا چراغ
مجھ کو معراج کے سایہ کا لگا اور سراغ
میں بھی کیا چیز ہوں پہونچا ہے کہاں میرا دماغ
راز جس سایہ کو بھگوان کا سب کہتے ہیں
قائمِ آلِ عباؑ ہم اُسے اب کہتے ہیں

میں یہ کہتی ہوں جب آپ کا سایہ ہی نہ تھا
کس کے پھر سایہ میں پروان چڑھی ہیں زہراؑ
ہوئی جس سایہ میں تھی فاطمہؑ کی نشونما
اُس کو میں کیوں نہ کہوں سایۂ محبوبؐ خدا
عقل کہتی ہے کہ زہراؑ نے جسے پایا تھا
اصل میں سایہ وہ بھگوان ہی کا سایا تھا

سایہ کے ساتھ جو سایہ کی طرح ذہن گیا
جستجو کرنے میں تب سایہ کی پردہ یہ کھلا
آپ کے سایہ کو وحدت سے جو تھا حُسنِ ولا
اس لیے ہجر تھا مشکل ہوا دم بھر نہ جدا

جا سکا نورِ الٰہی سے نہ ہٹ کر سایا
رہ گیا جسمِ منور سے لپٹ کر سایا

اسی سایہ میں لگاتی ہوں مضامیں کے میں باغ
بزمِ وحدت کا یہ سایۂ عالی ہے چراغ
حق سے ملتا ہوا اس سایہ کا پاتی ہوں سراغ
سایہ کے ساتھ میرا عرش پہ پہونچا ہے دماغ
تھی یہ معراج میں بھی ناز و ادا کی صورت
سایہ پردہ میں رہا رازِ خدا کی صورت

اور توجیہہ سناتی ہوں سنیں اہلِ شعور
میں کہوں گی وہی زیبا ہے جو حق المقدور
شک نہیں اس میں ہے کچھ ظلِ الٰہی ہیں حضورؐ
ہو اگر سایہ میں سایا تو ہے یہ عقل سے دور
خلق سے کیوں نہ بلند آپ کا پایا ٹھہرے
آپ خلقت میں جب اللہ کا سایا ٹھہرے

پشت خورشید کی اس سمت ہے سنتی ہوں یہی
جب یہ صورت ہے تو ظاہر ہے کہ تھی گستاخی
اس لیے ابر تھا حائل نہ ہو بے ادبی
مرحبا سیدِ مکی مدنی العربی
فرقِ انور پہ جو رحمت کا تھا بادل چھایا
یہ سبب تھا جو کسی نے بھی نہ پایا سایا

اک سبب اور یہ سایہ کہ نہونے کا کھلا
یعنی جب حق نے انہیں خلق کی جانب بھیجا
درد تھا دل میں جو اُمت کے گناہگاروں کا
خود یہاں آگئے سایہ کو وہاں چھوڑ دیا
اُمتی حشر میں جب گرمی سے گھبرائیں گے
دیکھ لینا اسی سایہ میں اماں پائیں گے

یہی سایا دلِ مومن کا یقیناً ہے سرور
اس کو سایہ کہوں یا آنکھ کے پردہ کا ہے نور
ماشا اللہ کہوں کیوں نہ میں چشمِ بد دور
غور کرتی ہوں تو کہتا ہے یہ صاف شعور
آمنہ بی بی کی قسمت کا ستارہ کہیئے
اس کو نورِ نظرِ مریمؑ و سارہؑ کہیئے

ہوا اس نور سے جب انت مرادی کا خطاب
لئے تسلیم جھکا سجدۂ خالق میں شتاب
بڑھ گئی پیشِ خدا عزت و توقیرِ جناب
سایہ حضرت کا اُسی نور کا ہے لُبِ لباب
زینتِ کتف ہوا مہرِ نبوتؐ بن کر
آیا قرآن میں یہ نور کی صورت بن کر

پایا سایہ کو زمینوں میں نہ بالائے فلک
ڈھونڈتا پھرتا ہے خورشید اسے آج تلک

چشمِ مردم سے ہمیشہ رہی اس کو چشمک
ہوتا سایہ تو تعجب کا محل تھا بے شک

نور جس ماہ کا تا عرشِ بریں چھایا ہو
اُس کا کیا سایہ جو بھگوان کا خود سایا ہو

اور سایہ کے نہ ہونے کا کھلا اک یہ سبب
ظاہری طور پہ کچھ تھے جو مسلمان عرب
گر قدم سایہ پہ رکھتے تو یہ تھا ترکِ ادب
اس لیے ہو گیا حسنینؑ کی وہ شکل میں اَب

کیوں نہ پیارے ہو محمدؐ کو یہ جانی دونوں
سایہ احمدؐ کا ہوں جب احمدِؐ ثانی دونوں

کبھی بے وحی یہ غنچہ نہ زباں کھولتا تھا
گویا محبوب کے پردے میں خدا بولتا تھا

حضورؐ کی محبت میں گم ہو کر روپ کہتی ہے۔

یہ عقیدہ میرا بچپن سے ہے ایشور کی قسم
باعثِ خلقتِ آدم ہیں محمدؐ کے قدم
ان کے آگے تو مسیحاؑ بھی نہیں مارتے دم
ان کا وہ گھر ہے جو گھر نہیں فردوس سے کم

منزلت آپ کی کونین میں سب کرتے ہیں
ان کا وہ در ہے ملک جس کا ادب کرتے ہیں

میں نہ جاہل ہوں نہ کچھ عقل میں آیا ہے فتور

بادۂ حُبِ نبیؐ پی کے ہوئی ہوں مخمور
وصف سے آلِ نبیؐ کے ہے طبیعت مسرور
اس خطا پر بھی ملیں گے مجھے جنت میں قصور

مجھ کو راحت کے ہیں ساماں نظر آنے والے
میرے حامی ہیں محمدؐ کے گھرانے والے

روپ حضور ﷺ کی شفاعت کی منتظر ہے۔ بھگتی شاعری کی جھلک دیکھئے۔

اہلِ اسلام ہوں دنیا میں کہ ہوئیں کفار
کون ہے جس پہ نہیں آپ کے احسان کا بار
آلِ اطہارؑ کی لونڈی ہوں میں جو روپ کنوار
حشر کے روز مجھے بھول نہ جانا سرکارؐ

گم نہ میں مجمعِ محشر میں کہیں ہو جاؤں
ڈھونڈ لینا مرے سرکارؐ جو میں کھو جاؤں

روپ کماری کا منقبتی کلام

روپ کماری ثنائے حیدرؑ کے لیے اپنے کو وقف کر دیتی ہے۔ جیسے بھگتی
عری میں میرا بائی نے کرشن جی کو اپنا سب کچھ جان کر تہہ دل سے شاعری کی اُسی
رح روپ کماری بھی حضرت علیؑ کی عاشق اور حضرت علیؑ کے اوصاف پر مر مٹنے
ی نظر آتی ہے اور یہ عشق اس قدر شدید ہے کہ وہ کسی اور کو اس میں شریک دیکھ کر
یبانہ نظر ڈالتی ہے۔

روپ اپنے مرثیہ جس کا مطلع ہے:: کون سا دل ہے کہ جو دل نہیں دیوانہ
نق...... اس رقابت کو یوں نظم کرتی ہیں۔

ہو نہ گر عشق مجازی تو نہیں کھلتی ہے بات
آفتِ عشق سے اس طرح سے ملتی ہے نجات
مجھ سے پوچھے کوئی گر صاف تو کہہ دوں بہ حلف
ہاں ملا ہے مجھے اُس دُر کی محبت کا شرف
بس انھیں کا مرے کاشانۂ دل میں ہے ظہور
باعث ان کا ہے جو ہے خانہ ویراں پُر نور
دل سے جاتی ہی نہیں آٹھ پہر یاد اُن کی
لو لگائے ہمہ تن ہے دلِ ناشاد ان کی
یہ وہ ہیں جن پہ فدا ہے میرے ایشور کا حبیبؐ
یہی بندے تو ہیں بھگوان کی رحمت سے قریب

عشق میں ان کے شرف پایا ہے میں نے یہ عجیب
واہ میں بن گئی اللہ و پیمبرؐ کی رقیب
عین حق میری رقابت ہے رقیب ایسی ہوں
دل میں گھر ان کا بنا اُن سے قریب ایسی ہوں

کسی اور مقام پر انہی دلی جذبات کو یوں پیش کرتی ہے۔

پریم ان کا جو کرتے ہیں سکھ اُٹھاتے ہیں
جو منکش ہیں وہ بھجن مرتضیٰؑ کے گاتے ہیں
کسی سے کیوں کہوں کشتی کو میری پار کرے
علیؑ سا جس کا کھیوا وہ کیا بچار کرے

روپ کا عقیدہ حضرت علیؑ کی مدح سرائی میں زندگی بسر کرنا ہے کیوں کہ وہ اس ثنا کو ثنائے رسولؐ اور حمدِ باری مانتی ہے۔

اسی ثنا سے بتوں کا قرار جاتا ہے
اسی کے صدقے میں بھگوان یاد آتا ہے

لیکن اس ثنا کو مشکل بھی سمجھتی ہے۔

کرے گی اُس کی ثنا کیا بھلا تو روپ کمار
کجا یہ مدح کجا تجھ سی بے خبر جاہل

روپ اپنے شاہکار مرثیہ ''عروسِ نظم کی زینت ثنائے حیدرؑ ہے'' تمہید میں حیدرؑ کی ثنا پر بیس (20) سے زیادہ بندوں میں ثنائے حیدرؑ کی عظمت اہمیت اور حقیقت کو ظاہر کرتی ہے ہم صرف چند اشعار نمونہ کے طور پر یہاں پیش کرتے ہیں۔

گلِ ریاضِ فصاحت ثنائے حیدرؑ ہے
خدا کی عین عبادت ثنائے حیدرؑ ہے

اسی ثنا کا نتیجہ ہے ساغر و کوثر
اسی ثنا کی بدولت ملیں گے خلد میں گھر
اسی ثنا پہ تو نازاں ہے خود ثنا گستر
یہی علیؑ کی یہی ہے ثنائے پیغمبرؐ

یہی ثنا مرے پرماتما کو ہے بھائی
یہی جنابِ محمدؐ کو ہے پسند آئی

اسی ثنا سے طبیعت قرار لیتی ہے
یہ وہ ثنا ہے کہ جو آخرت کی کھیتی ہے

یہ وہ ثنا ہے کہ کنجی ہے آسمانوں کی
یہی ثنا تو ہے پاکیزگی زبانوں کی

یہی ثنا تو خدا سے ملائے رکھتی ہے
یہ وہ ثنا ہے جو کھوٹا کھرا پرکھتی ہے

علیؑ کی مدح سرائی میں روپؔ نے غضب کا جذبہ اور جوش دکھایا ہے۔ اکثر اشعار کو روپؔ کے ساقی ناموں اور بھگتی شاعری کے مضامین لکھا جا چکا ہے چناں چہ تکرار سے بچنے کے لیے انھیں یہاں پیش کرنے سے قاصر ہیں۔

وحدت اور نبوتؐ کے ساتھ علیؑ کی ولایت اور امامت کو اس طرح پیش کرتی ہیں کہ کسی قسم کی لغزش نہیں ہونے پاتی اور انھی اشعار میں نئے نکات نکال کر خوانِ تکلم پر جب پیش کرتی ہیں تو ان کا مزا دوبالا ہو جاتا ہے۔ نمک، ذائقہ، مزا اور

خوان کے لوازمات سے سجا ہوا دسترخوانِ سخن سے لطف اندوز ہوئیے۔

نعمتیں ہیں درِ حیدرؑ کی دوعالم سے زیاد
ان کے بھائی سے بھی اوتاروں نے لی ہے امداد
خوانِ توحید میں بے ان کے نہ لذت نہ سواد
ایک ہیں گن لو علیؑ اور نمک کے اعداد
خالی وحدت سے شریعت میں مزا کچھ بھی نہ تھا
یہ نہ ہوتے تو حقیقت میں مزا کچھ بھی نہ تھا

پنجتن پاک سے روپؔ کو خاص قلبی لگاؤ ہے۔ اس بند میں پانچ کی ردیف میں کیا مستحسن اشعار تراشے ہیں۔

اصلِ ایماں جنھیں سمجھی ہوں وہ ذی شان ہیں پانچ
رہنما پانچ شریعت کے نگہبان ہیں پانچ
جن کا حافظ ہے خود اللہ وہ قرآن ہیں پانچ
جن کو بھگوان سے ہے اُنس وہ انسان ہیں پانچ
پنجتن کی ہے رضا جس میں وہ مستحسن ہے
پنج کے کہنے سے جو کام کرو احسن ہے

روپؔ کماری نے اپنے مخمس میں جسے ''تائید ایزدی'' یا ''منقبت امیر المومنین'' کا عنوان دیا گیا ہے بڑے پیار سے مصرعوں میں محبت کی لہریں دوڑائیں ہیں جن کے اثر سے دلِ حساس اور ولائی میں طوفانِ عشق پیدا ہوتا ہے۔

چند اشعار اس مخمس کے یہاں ملاحظہ کیجئے۔

ترا کیسا پیارا یہ نام ہے جو حق سے تجھ کو عطا ہوا

جب ہی حق سے اتنا تو مل گیا کہ نہ فرق نام کو بھی رہا
ہے تری ولا میں سلامتی جو ترا عدو وہ ہے لعنتی

تجھے میں بھی اتنا ہوں جانتی تو ہے فاطمہؑ کا دھرم پتی
ترا در ہے بابِ اجابتی تو ہے شمعِ قصرِ رسالتیؐ

دُرِ بحرِ فضل و کرامتی گُلِ باغِ حُسن لطافتی
ترا نام لیتے ہی یا علی ہوئی شانتی گئی بیکلی

تو انیسِ خاطرِ بے دلی تو نصیبِ عاشقِ بسملی
تو غرض کے کُلِّ نماز ہے ترا ذکر ذکرِ خدا ہوا

جو رہا تھا برسوں صنم کدہ اُسے قبلہ تو نے بنا دیا
تجھے حق نے بخشا ہے وہ شرف جو کسی کا بعد نبیؐ نہ تھا

تجھے سمجھا کوئی تو بس خدا جو خدا کے بعد تو مصطفیؐ
مجھے شام ہوئے کہ ہو سحر ترا نام جپتی ہوں ہر پہر

نہیں روپ کنواری کو کچھ خطر کہ علی سا اس کا ہے راہبر

روپ کے ساقی ناموں کی جھلک

میر انیس اور مرزا دبیر کے بعد بزمِ مرثیہ میں اپنی شناخت اور پہچان کرانے کے لیے دوسرے عظیم مرثیہ گو شاعروں کو نت نئے مضامین نظم کرنے پڑے چناں چہ ساقی نامہ اور بہاریہ مضامین اگر چہ بعض قدیم مرثیہ گو شعرا نے جزوی طور پر نظم کیے لیکن ساقی نامہ اور بہاریہ مضامین کو تفصیل اور تجلیل سے نظم کرنا پیارے صاحب رشید کا کارنامہ سمجھا جاتا ہے۔ انیس، دبیر، نفیس اور مشیر کے علاوہ ضمیر لکھنوی نے بھی حسب ضرورت ان مضامین سے استفادہ کیا ہے۔ مشیر لکھنوی کے معروف بند سے کون واقف نہیں جس کا مطلع ہے۔ ''تو اپنے ایک جام پہ نازاں ہے ساقیا'' رشید لکھنوی جو میر انیس کے نواسے اور میر اُنس کے پوتے تھے شدت کے ساتھ ساقی نامہ اور بہاریہ مضامین کا انبار لگا رہے تھے۔

کثرتِ گُل سے ہوا بند عنادل کا نفس
انتہا ہو گئی پھولوں کے بیاں کی بس بس

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں۔

بزم میں دیکھ کے انداز کرم بیٹھ گئے
ذوق پینے کا جنہیں تھا وہ بہم بیٹھ گئے
شوق میں چوم کے ساقی کے قدم بیٹھ گئے
ایک گوشہ کی طرف کہہ کہ یہ ہم بیٹھ گئے
جام چلنے کو ہے سب اہلِ نظر بیٹھے ہیں

آنکھ ساقی نہ چرانا ہم اِدھر بیٹھے ہیں

رشیدؔ صاحب کے بعد دوسرے مرثیہ نگاروں نے ساقی نامہ اور بہاریہ مضامین کو مرثیہ کے چہروں پر غازہ کی طرح لگانا جاری رکھا۔ اُنسؔ لکھنوی کے پوتے فریدؔ لکھنوی جن کے مرثیوں کو راقم نے ''اظہارِ حق'' کے نام سے کتابی صورت دی ہے ساقی نامہ کہنے میں اپنا جواب نہیں رکھتے۔ فریدؔ لکھنوی ہر مرثیہ میں سننے والے کو شراب طہورہ کے نشہ میں مست کر دیتے ہیں۔

پلا دے مئے کہ نظر آئے مجکو نور ہی نور
حواس و ہوش بڑھیں عقل میں نہ آئے فتور
پی مصطفیٰؐ نے اتنی کہ سرتاج ہو گئی
نشہ چڑھا تو ایسا کہ معراج ہو گئی
ساقی کہ ایک اشارہ پہ جائیں نثار ہیں
مقتل میں بھی یہ پیتے ہیں وہ بادہ خوار ہیں
یاں کے ساغر جو پیئے غنچۂ دل کھلتا ہے
اِسی میخانہ سے رندوں کو خدا ملتا ہے
رنگ اس بزم کا جمتا ہے جگر کے خوں سے
شیشے ہیں نظم کے لبریز مئے مضموں سے
مئے جو طاہر ہے تو ہر ایک کو مشتاق ہے
پیتے ہیں سارے نبیؑ دستِ خدا ساقی ہے

ساقی نامہ کی روایت دبستان انیسؔ اور خاندان رشیدؔ میں کوئی خاص تعجب کی بات نہیں۔ اگر چہ ساقی ناموں کی قدیم مثالیں ہمیں فارسی شعراء کے قصیدوں میں

نظر آتی ہیں اور اُردو قصاید اور غزلیں بھی ان سے خالی نہیں لیکن شراب طھورہ سے بزم کو مست کر دینا صرف چند شاعروں کے نصیب میں آیا ہے۔ میری دانست میں روپؔ کماری اُردو ادب کی وہ تنہا شاعرہ ہے جس نے ساقی ناموں کو دوآتشہ کر کے رندانِ محفل کو مست مئے الفتِ حیدرؑ کر دیا ہے۔ شاید اسی لیے ان کے معروف مرثیہ جس میں تمہید اور چہرہ حضرت علیؑ کی مدح اور اس میں بین حضرت علی اصغرؑ کا ہے جس کا مطلع ہے:- ''عروسِ نظم کی زینت ثنائے حیدرؑ ہے'' اس کا عنوان ''بادۂ عرفان'' ہے۔ روپؔ کماری کے پانچوں مرثیے، مخمس اور مسدس میں ساقی ناموں کی جھلک صاف نظر آتی ہے۔ روپؔ کا غیر مطبوعہ مرثیہ جو حضرت فاطمہؑ کے احوال سے منسوب ہے جس کا مطلع ہے:- ''زینتِ حجلۂ عفت ہے جنابِ زہراؑ'' اس میں خوبصورت مضامین نظر آتے ہیں۔ ہم ساقی نامے کے کچھ بند پیش کر کے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ ان بندوں کے مضامین کی چاشنی، چستی اور مستی رشیدؔ، فریدؔ اور مشیرؔ سے کچھ کم نہیں۔

بادۂ الفتِ زہراؑ کی طلب گار ہوں میں
پی چکی جو کئی ساغر وہی میخوار ہوں میں
گو خطا وار ہوں دیرینہ گناہ گار ہوں میں
پر ازل سے اسی بادہ کی پرستار ہوں میں
مرے دیرینہ گناہوں کی دوا دے ساقی
آج زہراؑ کی ردا دھو کے پلا دے ساقی
پہلے بھگوان سے پوچھے کوئی لذت اس کی
مدتوں حق سے رہی عرش پہ صحبت اس کی

مستند صورتِ قرآں ہے طہارت اس کی
ہر زمانے کے رشی کرتے تھے رغبت اس کی

نام پہ فاطمۂ زہرا کے یہ تاثیر بڑھی
پارسا بنتِ عنب ہو گئی توقیر بڑھی

وہ پلا جس کو رسولوںؑ نے اماموں نے پیا
وہ پلا پیتے رہے ہیں جسے خاصانِ خدا
نشہ جس مے کا سدا حضرتِ موسیٰ کو رہا
جس کو پیتے رہے داؤدؑ و مسیحؑ و یحییٰؑ

جس کے عادی تھے زمانہ میں طریقت والے
جس کو پیتے رہے دنیا میں شریعت والے

وہ پلا جس کو محمدؐ سے پیمبرؐ نے پیا
وہ پلا دے جسے خود ساقیٔ کوثر نے پیا
وہی بادہ جسے شبیرؑ و شبرؑ نے پیا
وہ پلا دے جسے سلمان و اباذر نے پیا

جس کو محبوب شہِ جن و بشر رکھتے تھے
جس پہ جبریل بھی للچائی نظر رکھتے تھے

وہ پلا جو کہ ہے زہراؑ کی محبت کی شراب
وہ پلا ہو جو حقیقت میں حقیقت کی شراب
ساقیا دے مجھے خمخانۂ قدرت کی شراب
ہاں پلا پنجتن پاک کی الفت کی شراب

ماسوا اس کے جو ہیں اس سے سروکار نہیں
اور بادہ کسی عنواں مجھے درکار نہیں

جس میں شامل رہی بھگوان کی رحمت وہ پلا
نکھری جس بادہ سے اسلام کی رنگت وہ پلا
جس کے پینے کی ہے قرآں میں ہدایت وہ پلا
پی گئے جس کو شہیدانِ محبت وہ پلا

ہاں پلا جلد کہ میخوار کا جی چھوٹتا ہے
دیکھ انگڑائیاں آتی ہیں بدن ٹوٹتا ہے

وہی ساغر دے حیا سے جو بھرا ہو ساقی
کاگ بھی جس پہ طہارت کا لگا ہو ساقی
پاک بازی پہ مری جس سے ضیا ہو ساقی
جس سے عصمت پہ مری اور جلا ہو ساقی

محتسب سے نہ ڈروں خوف خدا کا نہ کروں
آج اسے چادرِ تطہیر کے پردہ میں پیوں

مُہر حیدرؑ کی ہو جس پر وہ مے ناب پلا
جو کہ جائز ہے سراسر وہ مے ناب پلا
جس کے پینے میں نہ ہو شر وہ مے ناب پلا
ہو جو ہم سیرتِ کوثر وہ مے ناب پلا

جس نے کعبہ میں بھی پی تھی وہی میخوار ہوں میں
مجھ کو پہچان لے دیرینہ خریدار ہوں میں

متعجب ہیں مرے پینے پہ یہ پینے والے
کہ پلاتے ہیں محمدؐ کے سفینہ والے
کربلا والے نجف والے مدینہ والے
دیکھ کر ہوتے ہیں خوش نیک قرینہ والے
ساغرِ دل میں یہ ہر وقت بھری رہتی ہے
مرے پہلو میں یہ شیشہ کی پری رہتی ہے
آج شیشہ کی پری ہم ہیں اُڑانے والے
پھر نہ جائیں درِ میخانہ سے آنے والے
مجھ سے مئے نوش کو دیکھیں تو زمانے والے
چودہ ساقی ہیں مرے مجھ کو پلانے والے
عمر گزری ہے اسی شغل میں جیتی ہوں میں
دیکھ لو گھر میں محمدؐ کے بھی پیتی ہوں میں
کیوں بہکنے لگی تو پی کے سوا روپؔ کنوار
مجھ سے مفعول کی تفصیل کو سن ہو ہوشیار
فعل جب اس سے ہوا الفتِ شاہِ ابرار
ساتھ بھی ان کے رہے عترتِ آلِ اطہار
سب وہ مفعول ہیں اس مئے کے جو میخوار بنے
جان کو بیچ کے اس مئے کے خریدار بنے

مرثیہ ''بادۂ عرفان'' میں ساقی نامہ کے مضامین کا انوکھا ہجوم ہے۔ اس میں رندانہ کیفیت کے علاوہ بھگتی کا نشہ بھی مل گیا ہے چناں چہ اس کا کیف اور سرور کچھ

اور ہی ہے۔ مرثیہ ''بادۂ عرفان'' کے چہرے میں حضرت علیؑ کی منقبت کے ذیل ساقی نامہ کے بند ملاحظہ کیجئے۔

جہاں میں شور ہے دریائے فیض کا ان کے
ستارے شب کے فلک پر زمیں پہ یہ دن کے
شریک وِرد یہی ہیں ہر ایک مومن کے
پیوں میں ساغرِ حُبِ علیؑ نہ گِن گِن کے
مئے اوڑنے والی ہے میکش اوڑانے والے ہیں
کچھ ایک دو نہیں چودہ پلانے والے ہیں
کہاں ہے اے مرے ساقی مرے نجف والے
کہ منتظر ہیں درِ میکدہ پہ متوالے
یہ بادہ کش نہیں آفت کے ہیں یہ پرکالے
کھڑے ہیں خاکِ شفا کے لیے ہوئے پیالے
کسی کا خوف ہے پیتے ہیں سب میں کیوں نہ پیوں
خدا کے ہاتھ سے ملتی ہو جب میں کیوں نہ پیوں
یہ بادہ وہ ہے کہ پہلے جسے خدا نے پیا
یہ وہ شراب ہے جس کو سب انبیاؑ نے پیا
یہ مئے وہی تو ہے خود جس کو مصطفیؐ نے پیا
اسی شراب کو احمدؐ کے دِل رُبا نے پیا
اسی کے پینے کی مجھ کو بھی اضطرابی ہے
تری کنیز بھی ساقی ابو ترابی ہے

فرشتگان الٰہی نے کی یہ مے نوشی
اسی شراب کا تو کام ہے خطا پوشی
یہی ہے ہوش میں لاتی ہے جس کی مدہوشی
پئے اسے تو نہیں ہوتی حق فراموشی
یہ مے سرور دکھاتی ہے حق پرستی میں
حسینؑ قتل ہوئے ہیں اسی کی مستی میں

یہ وہ شراب ہے زاہد کی ہے نظر جس پر
یہ وہ شراب ہے ساقی ہیں جسکے خود حیدرؑ
اسی شراب کے عادی تھے بوذر و قنبر
اسی شراب کا چشمہ ہے چشمۂ کوثر
سُرور اس کا تو طاعت میں حق کی شامل ہے
پئے بغیر اسی کے نماز باطل ہے

مرا کہنہ کے مریضوں نے جب حساب لکھا
طبیب نے خطِ تقدیر لاجواب لکھا
نہ گل لکھا نہ کوئی شیشہ و گلاب لکھا
لکھا تو پہلے ہی بس نسخۂ شراب لکھا
بس اب مجھے کسی دارو کی احتیاج نہیں
یہ جب سے پی ہے طبیعت میں اختلاج نہیں

اڑا رہی ہوں مزے سے ادھر میں جامِ شراب
ادھر عدو جو علی کے ہیں ان کے دل ہیں کباب

کہیں ہے کاتبِ اعمال کا یہ حال خراب
کہ خود جلا دے جہنم میں میری فردِ حساب
بہار کا ہے سماں حیدریؑ گلستاں ہے
میں پینے والی ہوں ساقی ہے جوشِ باراں ہے

اسی کو پھرتے ہیں عالم میں شیخ و شاب پیئے
کبھی فلک پہ نہ ٹھہرے جو آفتاب پیئے
کہاں کسی کا مقدر جو یہ شراب پیئے
اگر پیئے تو مئے حُبِ بو تراب پیئے
نصیب اچھے تھے اس کی ہمیں جو دید ہوئی
یہ مے تو وہ ہے کہ جو عرش پر کشید ہوئی

روپ کماری نے حضرت حجت کی منقبت ''ساقی گلفام'' کے مسدس میں نظم کا سارا رنگ ساقی نامہ کا رکھ کر عمدہ مطالب نکالے ہیں۔ کچھ اشعار یہاں درج کیے جا رہے ہیں۔

خدا کا فضل رہے تیرے میکدہ پہ مدام
رقم ہوں فرد میں مستوں کے آج روپ کا نام
بڑھے جو نشہ ہو رنگِ سرور آنکھوں میں
میں دیکھ لوں تجھے ایسا ہو نور آنکھوں میں

وہ مے پلا جو کھنچی اہلبیتؑ کے گھر میں
وہ مے پلا جو ملی ہے شرابِ کوثر میں
وہ مے جو پیتے ہیں خاکِ شفا کے ساغر میں

وہ مے چھنی ہے جو آلِ عباؑ کی چادر میں
زباں پہ نام مئے پاک آگیا ساقی
خیالِ خام میں دل تلملا گیا ساقی
وہ جام جس پہ ہو تحریر مصطفیٰؐ کا نام
وہ جام جس پہ کہ کندہ ہو مرتضیٰؑ کا نام
وہ جام جس پہ کہ لکھا ہو مجتبیٰؑ کا نام
ہو جس پہ سرخی سے سلطانِ کربلا کا نام
میں ان کی لونڈی ہوں دے مجھ کو جام زہراؑ کا
ہو تہ میں نور کے حرفوں سے نام زہراؑ کا
وہ مے پلا کہ ملی ہل اتی کے پردے میں
وہ مے عیاں جو ہوئی اِنّما کے پردے میں
وہ مے بتولؑ نے جو پی حیا کے پردے میں
جسے علیؑ نے پیا ہے خدا کے پردے میں
وہ مے جو عرشِ معلی پہ تھی کشید ہوئی
دوبارہ کھنچنے کی پھر خم میں جس کے عید ہوئی
بر آئے دل کی تمنا ہے آرزو ساقی
ازل سے مجھ کو ہے جس مے کی جستجو ساقی
دے اپنے ہاتھ سے صہبائے مشک بو ساقی
تو نشہ میں میں کروں تجھ سے گفتگو ساقی
منم کنیز علیؑ و علیؑ امامِ من ست

بدہ بدہ کہ شراب من ست و جام من ست
بجائے ختم رسلؐ دور بادہ عام کند
اگر پدر نتواند پسر تمام کند

روپ کماری کی بھگتی شاعری کی جھلک

روپ کماری کشمیری پنڈت گھرانے سے تعلق رکھتی تھیں۔ گھر اور سماج کا ماحول بھگتی کی شاعری سے لبریز تھا۔ تاریخِ اسلام اور احادیثِ نبویؐ سے واقف تھیں۔ اُردو فارسی اور انگریزی زبانوں پر مہارت حاصل تھی۔ موصوفہ فارسی میں منشی کامل کا امتحان پاس تھیں اور انگریزی میں سیکنڈری کی طالبہ تھیں جس کا ذکر قومی اخبار ''سرفراز'' کے محرم نمبر باب 1354 ہجری (اپریل 1935ء) میں ان کے مخمس کی پیشانی پر درج ہے اس مخمس کا مطلع ہے۔

تیرا کیسا پیارا نام ہے کہ جو حق سے تجھ کو عطا ہوا

روپ کماری کے فن میں ان تمام علمی، تاریخی، سماجی اور عقیدتی رنگوں کا مظاہرہ ہوتا ہے جو روپ کماری کے روپ کو منفرد کرتا ہے۔ بھگتی کی چاشنی میٹھے ہندی اور سنسکرت کے زبان زدہ عام الفاظ کو فارسی اور اُردو کے الفاظ سے جوڑ کر شعر میں ایک خاص لطف اور اچھوتا پن پیدا کرنا روپ کا کرشمہ ہے۔ اشعار میں کہیں پر عزلی فقرات اور کہیں انگریزی غیر مانوس الفاظ دوسرے الفاظ سے مصرعوں میں ایسے جوڑے گئے ہیں کہ وہ بھی بیگانہ نہیں بلکہ یگانہ بن گئے ہیں۔

بھگتی شاعری کا اثر تیز اور براہ راست ہوتا ہے جو اپنی توانائی محبت کے رس سے حاصل کر کے دلی جذبات کو نمایاں کرتی ہے اس شاعری میں قادر الکلامی کی جگہ صاف اور سیدھی گفتگو ملتی ہے لیکن روپ کیوں کہ عالمہ اور فاضلہ ہیں فارسی پر غضب کا عبور ہے اس لیے ان کی بھگتی میں ہندی کے ساتھ ایرانی آمیزش نیا مزا دیتی

ہے۔ اس موقع پر ہم مزید توضیح اور تشریح کیے بغیر صرف منتخب اشعار نمونہ مشتی از خروار پیش کریں گے تاکہ اوپر بیان کیے گئے نکات کا ثبوت فراہم ہو جائے۔

خدا کا شیر تو ہی ہے مہابلی ہے تو ہی
تمام خلق سے اولیٰ تو ہی علی ہے تو ہی

اسی ثنا سے بتوں کا قرار جاتا ہے
اسی کے صدقے میں بھگوان یاد آتا ہے

علی کے چرنوں کا ہر ایک کو سہارا ہے
علی جگت میں وہ پرماتما کا پیارا ہے

علی کسی نے نہ جانا کسی نے کیا سمجھا
مرے رشی کو نبیؐ سمجھے یا خدا سمجھا

بھگتی شاعری میں عشق مجازی اور حقیقی کی سرحدوں پر کھڑی روپ کو ملاحظہ کیجیے۔

خطا یہ ہے کہ محض بے خطا ہے روپ کمار
علی کے عشق میں پُر مبتلا ہے روپ کمار
زمانہ گرچہ مخالف ہوا ہے روپ کمار
میں ان کی ہوں مجھے پرواہ کیا ہے روپ کمار

کسی سے کیوں کہوں کشتی کو میری پار کرے
علی سا جس کا کھیوا وہ کیا بچار کرے

آسان اور سیدھے سادے طریقہ سے دلی جذبات کو ظاہر کرنے میں روپ کا جواب نہیں۔ یہاں بناوٹ اور واعظانہ خطابت نہیں بلکہ دل کی گفتگو ہے جو

قدرتی جھرنوں سے بہتے ہوئے پانی کی طرح صاف اور شفاف پہاڑوں کے سینوں سے اتر کر سبز وادیوں کے چرنوں میں گم ہو جاتی ہے اور اسی کا نام شانتی بھی ہے۔

لگے ہوئے ہیں جو غیروں کے کام دھندوں میں
علیؑ کا نور کہاں ان جنم کے اندھوں میں
علیؑ نے کر دیا آساں ہر ایک مشکل کو
جب ان کا نام لیا شانتی ہوئی دل کو
وہ دل ہے پاک کہ جس میں ہے مامتا ان کی
پسند کرتا ہے بھگوان بھی کتھا ان کی

مرثیہ میں بھگتی شاعری کے مدھور میٹھے الفاظ میرے حقیر مطالعہ میں اس شدت اور کثرت سے کہیں نظر نہیں آتے اس میں کوئی شک نہیں کہ نجم آفندی مرحوم کے ہندی کلام اور نوحے جات میں ہندی اور رائج الوقت سنسکرت کے الفاظ کا بڑا ذخیرہ موجود ہے اس کے علاوہ مختلف ہندو شعرا نے اپنے مرثیوں اور سلام وغیرہ میں بقدرے نمک ان نمکین الفاظ کو برتا ہے لیکن روپؔ کا کلام بھگتی کے کمال کا نمونہ ہے۔ شاید اسی لیے تو خود کہتی ہیں۔

وہ روپؔ ہے تیرا ہے رام کوئی کیا سمجھے
مگر نبیؐ تجھے سمجھے کہ مرتضیٰ سمجھے

ذیل کے صرف دو شعروں میں پریم، سکھ، بھجن اور بھگتیوں جیسے الفاظ کا برتاؤ دیکھیے۔

پریم ان کا جو کرتے ہیں سُکھ اٹھاتے ہیں
جو مکّش ہیں وہ بھجن مرتضیٰؑ کے گاتے ہیں
کسی کے پاس نہ جاؤ اس طرف کو بڑھو

سبق پڑھو تو دھرم بھگتوں کا ان سے پڑھو

حدیث کو نظم کرتی ہیں۔

یہ جس سے راضی ہیں بھگوان اُس سے راضی ہے

کبیر داس، میرابائی اور دیگر بھگتی کے قدیم اور آجکل کے جدید شاعروں کے پاس خالص ہندی الفاظ کی نمائش ہے لیکن روپؔ کی بھگتی شاعری کی پہچان یہ بھی ہے کہ وہ عربی فارسی اور اُردو کے الفاظ ایک دوسرے کے بغل میں ایسے جما دیتی ہے کہ وہ ہم زبان ہو جاتے ہیں۔ ذیل کے اشعار میں رشی، دیوتا، اوتار، پرماتما، ایشور کے ساتھ امام، پیشوا اور خلق کی خلقت کو دیکھیے۔

یہی رشی ہیں یہی دیوتا یہی اوتار
یہی امامؑ یہی پیشوائے روپؔ کمار
انہی کی وجہ سے پرماتما کو پہچانا
انہی کی وجہ سے ایشور کو خلق نے جانا

بھگتی شاعری میں تقدس اور احترام پر عشق غالب آ جاتا ہے یہاں عجز اور انکسار سے زیادہ طلب اور حق کا مطالبہ ہوتا ہے

کسی رشی سے غرض ہے نہ دیوتا سے غرض
ہے اپنے دل کو محمدؐ سے مرتضیٰؑ سے غرض
وقار دو مجھے مہراج بے وقار ہوں میں
کمارؔ اپنے گناہوں سے شرم سار ہوں میں
صفت ہے کچھ کوئی خوبی نہ پاس رکھتی ہوں
مگر حضورؐ کی کرپا کی آس رکھتی ہوں

مدد بھی کیجئے مہراج مجھ پہ آفت ہے
میں کھل کے کہہ نہیں سکتی جو دل کی حالت ہے

مصروں کی چست بندش سے شعر کا بھرم اور پلہ بڑھ جاتا ہے اور عمدہ شاعر جو فطری ہوتا ہے یہ اُس کی پہچان بھی ہے۔

یقین جانیے بھاری اُسی کا پلہ ہے
کہ جس کو حیدرِ کرار سے تولا ہے
انہیں کی وجہ سے قائم ہے آج تک سنسار
یہی ہیں کشتیِ عالم کے خاص کھیون ہار

ذیل کے بند میں ہندو مسلم تہذیب کے آثار سے جو استفادہ کیا گیا ہے وہ قابل توجہ ہے تیرتھ گاہ، بارگاہ اور نجف سے ہردوار اور کاشی کے ساتھ دھرم اور پوجا کی لطافت بھی دیکھئے۔

مرے رشی کی ہے وہ بارگاہِ عالی جاہ
مَلک بھی مانتے ہیں جس کو اپنی تیرتھ گاہ
وہی خدا ہے نصیری کا اور وہی اللہ
اِسی مقام کی پوجا کرے ہے خلق اللہ
دھرم یہی ہے اور اپنا وہیں گیا جی ہے
نجف ہمارے لیے ہردوار و کاشی ہے

روپؔ کے کلام کا کمال (انیسؔ طبقہ نسواں)

روپؔ کے کلام پر دبستانِ انیسؔ کی گہری چھاپ ہے۔ شاید اس کی ایک وجہ فضلؔ رسول ہوں جو میر انیسؔ کے منجھلے بھائی میر اُنسؔ کے شاگردِ رشید تھے۔ روپؔ کے سلام کی اصلاح سے مربوط خط میں جن نکات پر توجہ دی گئی ہے وہ دبستانِ انیسؔ کی قلم کاری ہے۔ روپؔ کے چند بند میں انیسؔ کے مرثیوں کی جھلک دیکھئے۔

صنعتِ صانعِ قدرت کا بیاں مشکل ہے
راز قدرت کرے انسان عیاں مشکل ہے
کس طرح پہونچے وہاں وہم و گماں مشکل ہے
جب تلک ہو نہ پیمبرؐ کی زباں مشکل ہے
مجھ سے اُس وقت بیاں ہو سکے اس کی توحید
یا خدا یا کہ ہو ہمنامِ خدا کی تائید

آب پر خاک کے طبقوں کو بچھایا اُس نے
ان کے دامن پہ پہاڑوں کو جمایا اُس نے
آسمانوں کو ستاروں کو سجایا اُس نے
مختصر یہ کہ دو عالم کو بنایا اُس نے
ماہ و خورشید سے مخلوق کا دل شاد کیا
خاک کے پتلوں سے اس ارض کو آباد کیا

دیکھ کر گلشنِ ایجاد کا نقشہ پیہم

متحیّر میں ہوئی ہوں صفتِ نقشِ قدم
نت نئی شان جو یہ پیشِ نظر ہے ہر دم
کیا کہوں میں میرے خالق تری قدرت کی قسم
بس یہی منہ سے نکل جاتا ہے لاچاری میں
کوئی معشوق ہے اس پردۂ زنگاری میں

حمد یہ بند دیکھیں کہ ہر مصرع گلشنِ انیسؔ کی خوشبو دے رہا ہے۔

تو ہی ہے جس نے عطا کی ہے آب گوہر کو
تو ہی ہے جس نے کہ بخشا ہے لعل پتھر کو
تو ہی ہے جس نے دیا رنگ و بوگلِ تر کو
تو ہی ہے جس نے دیا نور دیدۂ تر کو
تو ہی ہے جس نے محمدؐ سا نیک نام دیا
تو ہی ہے جس نے علیؑ سا مجھے امامؑ دیا

مردّف اور غیر مردّف بندوں میں تلمیحات، اصطلاحات کا صحیح استعمال اور قافیہ پیمائی کی جگہ قافیہ سازی جو میر انیسؔ کی دین ہے روپؔ کے کلام میں بھی نظر آتی ہے۔ اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ روپؔ نے انیسؔ کے کلام کا بغور مطالعہ کیا ہے۔

آپ گر چاہیں تو اک قطرہ کو دریا کر دیں
ہو سیہ تاب تو رشکِ یدِ بیضا کر دیں
نظرِ مہر سے اندھی ہو تو بینا کر دیں
میری اس نظم کا سب خلق میں شہرا کر دیں
آپ کا گر کرم و لطف و عنایت ہو جائے

میری اس حمد کی اور نعت کی شہرت ہو جائے
خلق میں آپ کی بخشش کی ہر اک سمت ہے دھوم
کیجیے امداد تو کچھ اُس کی صفت ہو مرقوم
جس مدینے سے ہوئے آپ شہا بابِ علوم
جس کا واصف ہوا قرآں میں خدائے قیوم
قصد توصیف شہنشاہؑ ہدا کرتی ہوں
دیکھئے ہوتا ہے کیا کارِ خدا کرتی ہوں
آپ امداد کو آئیں میں اٹھاتی ہوں قدم
گو کہ یہ سچ ہے کہ میرے لیے ہے امرِ اہم
دل نہیں مانتا مولاؑ میں بڑھاتی ہوں قدم
آپ پشتی پہ رہیں گر تو طاقت نہو کم
اب زبان رکتی ہے میری نہ قلم رکتا ہے
چپ رہوں وصفِ محمدؐ میں تو دم رکتا ہے
حباب پانی سے اٹھ اٹھ کے جان کھونے لگے
جو ذی حیات تھے آخر تمام ہونے لگے

روپؔ کماری اپنی شاعری اور تیغ بیانی پر نازاں ہے اور اسے مولا علیؑ کی دین سمجھتی ہے۔ اشعار میں تعلّی، تفخر، تشکر کے ساتھ ساتھ انیسؔ مرحوم کے مرثیوں کے مصرعوں کی روانی کا احساس بھی محسوس کیجئے۔ شاید اسی لیے استاد فضل رسول نے طبقہ نسواں کی انیسؔ لکھا ہے۔

مری طرف سے تذبذب میں آج ہے سنسار

کہ یہ زباں یہ سخن یہ کلامِ روپ کمار
بتائے دیتی ہوں کہتی ہوں میں پکار پکار
یہ سُن لیں سب مرے داتا کی ہے بڑی سرکار
جسے کریں وہ اُسے دم میں کیا سے کیا کر دیں
وہ جس کو چاہیں سخن کا اُسے خدا کر دیں

زبان کھلی ہے مری آج ہم زبانوں میں
سخن کی قدر اگر ہے تو قدر دانوں میں
مرے بیان کو سُن سُن کے خوش بیانوں میں
درود بلبلیں پڑھتی ہیں بوستانوں میں
علیؑ کی مہر کے سب گل ہیں یہ کھلائے ہوئے
کہ چن رہے ہیں عنادل چمن میں آئے ہوئے

یہ رنگ اپنی طبیعت کی ہے روانی کا
رواں دواں کوئی چشمہ ہو جیسے پانی کا
مزا اٹھائیں سخن داں زبان دانی کا
یہ سب نتیجہ ہے حیدرؑ کی مدح خوانی کا
مرا سخن نہیں آلِ عباؑ کا صدقہ ہے
علیؑ کا صدقہ ہے یہ مصطفیٰؐ کا صدقہ ہے

مصرعوں میں عربی فقرات کا پیوند انیسؔ کی یاد دلاتا ہے۔

خدا کی ذات تو ہے لم یلد ولم یولد
انھیں کو آیا یداللہ فوق ایدیہم

انھیں کو نفسک نفسی نبیؐ نے فرمایا
انھیں کو انفسنا کا خطاب ہے آیا

اِس بند میں مدح، مداح، مدحت کے عمل کو دیکھئے جو روپؔ کی قادر الکلامی کی علامت ہے۔

افتخارِ عمل خیر ہے یہ شغلِ سعید
چھوڑ دوں مدحتِ حیدرؑ کو یہ مجھ سے ہے بعید
مدح کی ح کو سمجھتی ہوں ہلالِ مہِ عید
رات جا کر سحر آتی ہے تو ہے عید کی دید
قصہ کوتاہ یوں ہی غم میرا بٹ جاتا ہے
دن اسی مدح میں مدّاح کا کٹ جاتا ہے

روپؔ شاعری میں صنعتِ اشتقاق اور صنعتِ مراعات النظیر کے ساتھ تصوراتی نقشہ پیش کر کے غزل کے رنگ کو بھی پھیکا کر دیتی ہے۔

پیاس میں جامِ مئے حُبِّ یداللہ ملا
مجھ کو خضرِ رہِ فردوس سرِ راہ ملا
اوج کیا کیا نہ تہہ گنبدِ افلاک ملے
ایک اللہ ملا پنجتنؑ پاک ملے
بعد محشر بھی یہ میخانہ سدا باقی ہے
اس میخانہ کا ہمنام خدا ساقی ہے
اسی میخانہ قرآں سے چلا نامِ شراب
تیس خم اس میں ہیں اللہ رے اکرام شراب

سورے شیشے ہیں تو آیت کے نشاں جامِ شراب
سطریں ہیں کشتیِ مے وقف پیئے کامِ شراب

روپؔ نے اپنے معرکتہ آرا سلام کے چند شعروں میں جو پیار اور محبت کا رنگ سمیٹا ہے وہ دوسروں کے تمام دفتروں میں موجود نہیں۔

برنگِ گُل داغِ حُبِ حیدرؑ ہمارے سینے میں ہے جو پنہاں
یہ پھول رکھا ہے دل میں ہم نے نظر سے سب کی چھپا چھپا کر
مثالِ ساغر لگا دیا ہے جو منہ کو شیشہ سے میں نے تیرے
کیا ہے مدہوش اُس نے ساقی شرابِ وحدت پلا پلا کر
مجھے نہ محشر میں بھول جانا ازل سے ہوں یا علیؑ تمہاری
حضورِ حق آبرو بڑھانا کنیز اپنی بتا بتا کر

الطاف حسین حالیؔ نے مقدمہ شعر و شاعری میں اُردو شاعری کی بعض اصناف کی عفونت کا گلہ کرتے ہوئے مرثیہ کو پاکیزہ شاعری کا نقیب بتا کر اس میں پوشیدہ اخلاقی اور سماجی اقدار کو اُردو شاعری کا تحفہ بتایا ہے۔ روپؔ کماری نے بھی اپنے مرثیوں میں ان قدار کی نمائش کی ہے۔ روپؔ کماری کا مرثیہ ''جہاں کا ورقِ زرنگار فانی ہے'' دنیا کی بے ثباتی اور دنیا پرستوں سے نفرت کے ساتھ ساتھ برادری اور اخوت کا روشن پیغام ہے۔ مرثیہ کے چہرے کے شاعر کو اقدارِ عالیہ کی شاعری میں رکھا جا سکتا ہے۔ اس میں حق کی آواز کی گونج اور باطل کی شکستہ آواز صاف سنائی دیتی ہے۔

یہ زینتِ چمن روزگار فانی ہے
خزاں پکار رہی ہے بہار فانی ہے
یہ باغ وہ ہے نہیں جس کو ایک دم بھی بقا

پیام موت ہے ہر لمحہ اس چمن کی ہوا
وہ غنچے ہیں جو محبت کی بو نہیں رکھتے
وہ باغباں ہیں جو الفت کی خو نہیں رکھتے

اسی طرح سے سدا منقلب زمانہ ہے
سمجھتے ہو جسے دنیا طلسم خانہ ہے
جہانِ زیست تو اک خواب کا فسانہ ہے
بقا اُسی کو ہے جس کا یہ کارخانہ ہے

ہزاروں خلق میں سلطاں تھے پر نشاں نہ رہا
اٹھایا بارِ الم لشکرِ گراں نہ رہا
پکارتی ہے اجل وہ حشم گیا کہ نہیں
کدھر کو جم گیا رنگ اپنا جم گیا کہ نہیں

کہاں ہیں خنجر و شمشیر مارنے والے
کہاں حسینؑ کا سر ہیں اتارنے والے
یہاں جو رہتے ہیں پابند عیش غافل ہیں
نہ اس کے دام میں آئیں گے وہ جو عاقل ہیں

گدا و شاہ کو پیوند خاک ہونا ہے
اندھیری قبر میں دونوں کو جا کے سونا ہے
نہ ہے نشانِ فریدوں نہ کرّوفر اس کا
نہ اب جہاں میں ہے قاروں نہ مال و زر اس کا
کوئی بھی ہو نہ کرے اپنے مال و زر پہ غرور

کہ ہو گا بس وہی بھگوان کو جو ہے منظور

نہیں جہان میں ان کا نشاں تلک باقی
رہیں نہ زیرِ زمیں ہڈیاں تلک باقی
نہ اپنے ذہن میں لائے کبھی یہ کوئی بشر
کہ ہم ہیں صاحبِ زر کیا ہمیں کسی کا ضرر
اجل ضرور ہے رکھے ہمیشہ مدِ نظر
کرے نہ خلق پہ سختی چلے نہ بانیٔ شر

جہاں میں بندہ ٔ پروردگار بن کے رہے
زمین پہ جھک کے چلے خاکسار بن کے رہے
کسی کے ساتھ جہاں میں کبھی دغا نہ کرے
یزید سا کوئی بے رحم ہو خدا نہ کرے
بشر کو چاہیے بیمار پر جفا نہ کرے
شریف پردہ نشینوں کو بے حیا نہ کرے

عبث غرور ہے دو دن کی جاہ پر ہوشیار
نگاہ چاہیے قہرالہ پر ہوشیار
خزانے یاں سے نہ واں ساتھ لے کے جاؤ گے
لحد میں جا کے سب ہاتھوں کو خالی پاؤ گے

پ کا فارسی شعروادب کے سے رابطہ گہرا تھا جس کی جھلک صاف ان کے کلام میں
تی ہے۔ روپؔ نے استاد فضلِ رسول کے مشہور خمسہ کے مصرعوں پر تضمین کر کے
فس لکھا ہے۔ جس میں حافظ شیرازی کے قصیدہ کی جھلک دیکھئے اور روپؔ کے کی

فارسی زبان پر مہارت کی داد دیجئے۔

ترا کیسا پیارا یہ نام ہے کہ جو حق سے تجھ کو عطا ہوا
جبھی حق سے اتنا تو مل گیا کہ نہ فرق نام کو بھی رہا
ہے لقب ترا شۂ لافتا تو ہے زور بازوئے مصطفیٰؐ
تو ولی سرورِ اتقیاء تو وصی احمدِ مجتبیٰؐ
بفروغِ آیتِ انّما تو علیؑ و حیدرؑ و مرتضیٰؑ

تو بہارِ باغِ نعیم ہے تو خدا کا فضلِ عمیم ہے
تو ہی فخرِ نوحؑ و کلیمؑ ہے ترا خُلق خُلقِ عظیم ہے
تو حلیم ہے تو رحیم ہے تو علیم ہے تو حکیم ہے
ترا قلبِ قلبِ سلیم ہے ترا نفس نفسِ کریم ہے
وہ خدا کا دشمن خاص ہے جو لعین تیرا عدو ہوا

تو ہی منتخب تو ہی منتجب تو امیر ہے تو شہِ عرب
تو خدا کا بندۂ خاص ہے تو رسولؐ پاک کا ہم نسب
کہیں مرتضیٰؑ کہیں مقتدا کہیں ایلیاؑ ہے ترا لقب
تو خدا کے گھر کا مکین ہے ہوا کعبہ کعبہ ترے سبب
جو رہا تھا برسوں صنم کدہ اُسے قبلہ تو نے بنا دیا

اس بند میں صنعتِ اشتقاق، صنعتِ مراعات النظیر کے علاوہ صنعتِ تکرار اور تمام ارکان نماز، نیت، شہادت، قیام، قعود، رکوع، سجود اور درود سب شامل ہیں۔

تو شہید ہے تو شہود ہے تو ولی رب ودود ہے
وہ بلند تیرا وجود ہے کہ خدا کا جس پر درود ہے

ترے دم سے حق کی نمود ہے تو خدا کے دیں کا عمود ہے
تو قیام ہے تو قعود ہے تو رکوع ہے تو سجود ہے
تو غرضکہ کلِ نماز ہے ترا ذکر ذکرِ خدا ہوا

صنعتِ تکرار میں عمدہ مضامین پیدا کرنا جوئے شیر کے لانے سے کم نہیں۔ یہاں صنعتِ تکرار برائے صنعت نہیں بلکہ برائے صناعی پیش ہو رہی ہے۔ دو لفظ ''حق'' اور نام سے جو شعر میں کام لیا گیا ہے وہ کمالِ تمام ہے۔

تری گفتگو ہے کلام حق ہے پیام تیرا پیام حق
وہی نام تیرا جو نام حق وہی کام تیرا جو کام حق
ترے ساتھ حق ہے حقیقتاً تو مطیع حق تو امامِ حق
تری شان کیوں نہ بلند ہو ترا نام جبکہ ہو نام حق
تجھے حق نے بخشا ہے وہ شرف جو کسی کا بعدِ نبیؐ نہ تھا
ترے اختیار میں کیا نہیں تو خدا کے گھر کا مجاز ہے
ترا نام اسی سے علی ہوا تیری ذات بندہ نواز ہے
مری ناؤ عین بھنور میں ہے مری کر مدد مرے ناخدا

روپ کے آخری مصرعہ میں بھنور کی نسبت سے ناؤ لایا ہے جب کہ لفظ کشتی (فارسی) کا آ سکتا ہے۔ یہی روپ کا انوکھا روپ اور شناخت بھی ہے۔

شاید روپ وہ تنہا شاعرہ ہو جس نے مرثیہ گوئی میں انگریزی الفاظ بھی استعمال کیے ہیں۔ مرثیہ ''بادۂ عرفان'' میں کئی مقامات پر حسب ضرورت انگریزی مطالب اور مضامین کی جھلک ہے۔ جیسا کہ ہم نے لکھا ہے وہ 1935ء میں انگریزی سیکنڈ ایئر طالبہ تھیں۔

اٹھا کے دیکھ لیں ڈاؤن آف رومن ایمپائر
دکھا رہی ہے وہ کیا شانِ حیدرِ صفدر
بتائیں ہم انہیں تحقیق کے جو مائل ہیں
مورخ اس کے گبن شل کار لائل ہیں
ہمارا دین یہی ہے شریعتِ بیضا
اسی کا نام ہے انگلش میں یونیورسل لا
تو ہی خدا ہے تو گاڈ ہے تو ہی بھگوان
حرم بھی تری نشانی ہے دیر بھی تری شان
عرب ہوں یا کہ عجم جرمنی کہ امریکن
پسند کرتے ہیں سب مرتضیٰ کا نیک چلن

یہی نہیں بلکہ وہ مرثیوں میں فارسی شعرا کے شعر تضمین کرتی ہیں اور بعض مصرعوں پر عمدہ گرہ لگا کر ان کا اثر دو آتشہ کر دیتی ہیں۔

کنوں چساں نشوم بے قرار پرمیشر
زتیغ کفر دلم شد فگار پرمیشر
پکارے بت بھی جھکا کر یہی جبینِ نیاز
''زمانہ با تو نسازد تو بازمانہ بساز''

فارسی زور کلام دیکھیے۔

علی حبیب خدا ایلیا علی عابد
علی شہید علی شاہِ دیں علی شاہد
علی تقی و علی متقی علی قاید

علی وحید علی حامد و علی واحد
علی خلاصۂ آلِ عبا علی اعلا
علی چراغِ ہدایت علی امامِ ہدا

''نہ ہندوم نہ مسلماں نہ کافرم نہ یہود
یہ حیرتم کہ سر انجام ماچہ خواہد بود''

(فارسی شاعر)

روپ کے مرثیوں میں جنگ کا نقشہ اور کلاسیک مرثیوں کے مضامین گھوڑا اور تلوار کے بیان میں کمالِ فن کا مظاہرہ انیس کے دبستان سے منسلک کر دیتا ہے اور یقیناً فضل رسول فضل نے روپ کو ''انیسِ نسواں'' کا صحیح خطاب دیا جس کا ثبوت ذیل کے گھوڑے اور تلوار کے بند ہیں۔

مدد کا وقت ہے اے مرے دلبرا ساقی
پلا کے جام بڑھا قوتِ وغا ساقی
چلا ہے تیغ بکف ابنِ مرتضیٰ ساقی
کھنچے وغا کا مرقع تو ہے مزا ساقی
وہ ساغر آج عطا ہو کہ جوش بڑھ جائے
جسے وہ رنگ دلِ بادہ نوش بڑھ جائے

وہ حملہ ور ہوا ضرغامِ حیدرِ کرار
وہ چمکی تیغ وہ پہنچا سپاہ میں رہوار
وہ نکلا خیمہ سے گھبرا کے افسرِ کفار
وہ دیکھو فتنۂ خوابیدہ ہو گیا بیدار

پکارتے ہیں عدو برق شعلہ بار چلی
ہمارا زور چلے کیا کہ ذوالفقار چلی

چمک کے خرمنِ عمرِ عدو جلانے لگی
مثالِ صاعقہ رن میں تڑپ دکھانے لگی
ستم کی فوج میں طوفانِ غم اٹھانے لگی
نہ ابھرے فوج کے بیڑے لہو بہانے لگی
نثار برق جہندہ تھی تابدار ایسی
دل اہلِ نار کے تھے آب آبدار ایسی

یہ غل تھا کرب و بلا میں اسے بلا کہیے
کہ دشتِ غم کی سلگتی ہوئی ہوا کہیے
ہے عقل ششدر و حیراں کہ اس کو کیا کہیے
ہزار بات کی اک بات ہے قضا کہیے
چھری تھی موت کی بے شک وہ مرغ جاں کے لیے
دہکتی آگ ہوئی ماہیِ زباں کے لیے

کلائی کاٹی کسی کی کسی کا سر کاٹا
سمائی آنکھوں میں جب رشتۂ نظر کاٹا
رگوں کا خون پیا سینے میں جگر کاٹا
دلِ شریر کو مثلِ خیارِ تر کاٹا
بدن زمیں پہ گرائی اڑا کے سر توڑے
شجر کے تیغ نے ٹکڑے کیے ثمر توڑے

چمک کے خود پہ آئی جدا کیا سر کو
زرہ کو ڈھال کو چار آئینہ کو بکتر کو
صفوں کو صاف کیا الٹا قلبِ لشکر کو
قلم علم کو کیا اور بے سرافسر کو
ہر اک کا ٹوٹ گیا دل اجل دو چار ہوئی
چمک کے رہ گئے شیشے جو شعلہ بار ہوئی

عجیب شان سے مقتل میں تھی وہ تیغ رواں
شرارے وہ تھے کہ بجلی بھی مانگتی تھی اماں
لپک جو اس میں تھی شعلے میں وہ لپک ہے کہاں
اڑا کے ہوش عدو کے جلایا خرمنِ جاں
ہوا یہ شور کے قبضے میں کوئی دلبر ہے
تڑپنے میں کسی عاشق کا قلبِ مضطر ہے

نبیؐ کے پیارے کا پیارا مزاج داں رہوار
گراں رکاب صبادم سبک عناں رہوار
سوارِ نیّرِ اعظم تھا الاماں رہوار
عدو تھے خاک جو گرمایا ناگہاں رہوار
جلایا نعل سے چنگاریاں جہاں جھاڑیں
سمایا چشمِ عدو میں جو پتلیاں جھاڑیں

غزال خلد کی آنکھیں تھیں حور کا چہرا
کنوتیاں وہ دل آویز نور کا مکھڑا

وہ پیاری شکل کہ جس پر براق ہو شیدا
وہ جوڑ بند خدا داد قدرتی نقشا
بیاں مراتب اعلیٰ ہوں کیا کہ وہ کیا تھا
سوار دوشِ نبیؐ تھا سوار ایسا تھا

شرر میں دیکھی یہ شوخی نہ شعلے میں یہ لپک
نظر میں چڑھ نہیں سکتی ہے برق کی بھی چمک
چھپا نگاہوں سے دکھلا کے اک نرالی جھجک
کلامِ اوجِ سخنداں درست ہے بیشک
کہاں اڑا ہوا پارہ گیا خدا جانے
کدھر کو ٹوٹ کے تارہ گیا خدا جانے

چمکتا پھرتا تھا ہر سمت بادِ پا رن میں
تھی اس کے نعلوں میں پھیلی ہوئی ضیا رن میں
ادھر سے چاند بنا ماسوا گیا رن میں
ادھر سے بدر دکھاتا ہوا پھرا رن میں
مزاج داں ہے نہیں کام تازیانے کا
خطا معاف نہ لو نام تازیانے کا

یہ تازیانہ ہے تارِ نفس نہ تارِ نظر
لکیر ہاتھ کی کیسی گیا خیال کدھر
صبا ہو دنگ جو ہو صحنِ بوستاں میں گزر
مجال کیا ہے کہ تحریک کر سکے صرصر

سمندِ صحن میں گلشن کے جب روانہ ہوا
تو جنبشِ رگِ گل اس کو تازیانہ ہوا

ایک اور مرثیہ میں گھوڑے اور تلوار کے مضامین کی دلکشی دیکھیے۔

دھوم تھی گلشنِ عالم میں نہیں اس کا جواب
تھوتھنی غنچۂ فردوس پسینہ ہے گلاب
سر سے تا ناخنِ پا جلوہ نما مثلِ شہاب
چشمِ بدور کہو پتلیاں ایسی نایاب
تھے خجل شمس و قمر جاہ و حشم سے اس کے
رنگ دونوں کے اوڑے نقشِ قدم سے اس کے

غل تھا گر باگ کا راکب سے سہارا پائے
اس کی سرعت کو نہ پھر کوئی ستارا پائے
ہوا بھی داخلِ جنت جو اشارہ پائے
جب یہ حالت ہو تو کیا ذہن ہمارا پائے
آنے میں عاشقِ صادق کی طبیعت سے سوا
جانے میں صبرِ مریض تپ فرقت سے سوا

قابلِ ذکر ہے کب کبکِ دری کی رفتار
اس کا اک طرز ہے اس رخش کے انداز ہزار
دم چمن ور کرنے پہ طاؤس ہو صدقہ سو بار
اڑنے میں نکہتِ گل جھومنے میں ابرِ بہار
واہ رے چال ہوا بندہ گئی گلزاروں میں

ہے نسیمِ سحری غاشیہ برداروں میں

فوج کے دور میں پھرنے لگا مانندِ نظر
چرخ چکرا گیا دیکھا جو فرس کا چکر
ساتھ رہوار کے وہ گردشِ تیغِ حیدر
کاٹ کر کاسۂ سر بھرنے لگی قصرِ سقر
دامنِ گرد میں ہر جسم نہاں ہونے لگا
کشتوں پر ریت کے پشتوں کا گماں ہونے لگا

ہوش اعدا کے اُڑے ہاتھ کی تیاری سے
رُو سیاہ زرد پڑے تیغ کی خوں خواری سے
تیغیں عاری ہوئیں تلوار کی عیاری سے
ڈھالیں جل جل کے ہوئیں خاک شرر باری سے
چشمِ خورشید جھپکتی تھی چمک ایسی تھی
بجلیاں بجلی پہ گرتی تھیں دمک ایسی تھی

جانبِ لشکرِ کفار بلا بن کے چلی
ہو گئی روحِ فنا شکلِ قضا بن کے چلی
کفر کی شمع بجھی تند ہوا بن کے چلی
پھول زخموں کے کھِلے بادِ صبا بن کے چلی
بُرشِ تیغ سے صد چاک تھا دامن دل کا
طائرِ روح سے خالی تھا نشیمن دل کا

بُرشِ تیغ سے صد پاش سپر ہوتی تھی

درد کی طرح کبھی داخلِ سر ہوتی تھی
زینتِ چشم کبھی مثلِ نظر ہوتی تھی
ہمدمِ دل کبھی غم خوار ہوتی تھی
خوں بہاتی ہوئی سینوں میں سماتی آئی
جس طرف آئی نیا رنگ جماتی آئی

میر انیس کے مرثیوں میں صبح کی دلکشی خاص اثر رکھی ہے۔ روپ کے مرثیوں میں یہ صبح کی شگفتگی صبحِ بنارس کی عکاسی معلوم ہوتی ہے۔ ذیل کے شعروں ملاحظہ کیجئے۔

جھلملانے لگے سب سقفِ فلک پر تارے
کر چکے سیرِ گلستانِ جہاں سیارے
نور کے چشمۂ خاور سے چھٹے فوارے
دیکھ کر رنگِ افق مرغِ چمن چہکارے
بیٹھ کر ڈالیوں پر حمدِ خدا کرنے لگے
سب کے سب اپنی زبانوں میں دعا کرنے لگے

صبح کا وقت سہانا وہ گلوں کی خوشبو
دشت و کہسار میں تھا نور کا عالم ہر سو
آشیانوں سے پرندوں کا وہ آنا اب جو
کہیں کو کو کی صدائیں کہیں شورِ یاہو
مچھلیاں ابھری ہوئی رنگِ جہاں دیکھتی تھیں
موجیں اٹھ اٹھ کر بیاباں کا سماں دیکھتی تھیں

نور باغوں میں تھا ظلمت کا نہ تھا نام و نشان

آنکھیں نرگس کی تھیں نورِ سحری پر قربان
ہر زباں کرتی تھی شکرِ چمن آرائے جہان
صوتِ بلبل سے نمایاں تھا کہ دیتی ہے اذان
شاخیں شبنم سے وضو کرتی تھیں طاعت کے لیے
سرو ایستادہ تھے صف بستہ جماعت کے لیے

کہیں سبزہ کی فضا تھی کہیں لالہ کی بہار
روشوں پر وہ نسیمِ سحری کی رفتار
ایک بلبل کے ترانے میں کرشمے تھے ہزار
چہکے چپکے کہیں ہونٹوں پہ تھی حمدِ غفار
حمدِ معبود کے گلشن میں مزے ملتے تھے
غنچوں کے منہ تھے کھلے پھولوں کے لب ہلتے تھے

قمریاں سرو پہ بیٹھی ہوئی کرتی تھیں یہ غل
گل کھلے فصلِ بہار آئی خزاں کا ہوا قتل
ہمہ تن محوِ تماشائے چمن تھے بلبل
اپنی کاکل کی درستی میں تھا الجھا سنبل
ہر طرف نورِ سحر سے چمن آرائی تھی
فضل ایشور کا تھا گلچیں کی مراد آئی تھی

آتشِ گل جو بڑھی ہو گیا روشن گلشن
بن گیا نکہتِ فردوس کا مسکن گلشن
بارشِ نور سے تھا وادیٔ ایمن گلشن

جب کھلے پھول دکھانے لگا جوبن گلشن
محوِ حیرت ہو جس اس رنگ کو انساں دیکھے
کسی گلشن میں نے ایسے گلِ خنداں دیکھے

چہچہے بھی تھے عنادل کے مسرت انگیز
خوشے پھولوں کے تھے یا شب کی دلہن کا تھا جہیز
گل کو بلبل سے نہ چشمک تھی نہ تھا کچھ پرہیز
صحنِ گلشن میں تھی رفتار صبا کی گُل ریز
بس کے پھولوں میں نسیم سحری پھرتی تھی
باغ میں باد صبا تھی کہ پَری پھرتی تھی

وہ ہوا سرد وہ رنگِ چمنستانِ سحر
صنعتِ صانع قدرت پہ تھی قربان سحر
آسماں پر نہ ستارے تھے نہ روشن تھا قمر
مثلِ انجم کے شگوفے تھے زمیں پر گلِ تر
ہر طرف بادِ صبا پھرتی تھی اتراتی ہوئی
فضلِ خالق سے گھٹا نور کی تھی چھائی ہوئی

زرد پھولوں سے سنہری تھی چمن کی دیوار
پرتوِ گُل سے تھا بلبل کا نشیمن گلنار
کیوں نہ ہو جاؤں میں ایشور تیری قدرت کے نثار
کھینچ دی ہر ورقِ گل پہ ہے تصویرِ بہار
شاخِ سرسبز پہ حُسنِ ثمر و گل دیکھا
زلفِ سنبل کا خدا ساز تسلسل دیکھا

جامۂ سبز سے ملبوس تھے اشجارِ چمن
ہار پھولوں کا بناتا تھا ہر خارِ چمن
چہچہے کرتے تھے طاہر سرِ دیوارِ چمن
خواب سبزہ کا بنا دولتِ بیدارِ چمن
باغ کی راہ تھی وا بادِ بہاری کے لیے
نکہتِ گل ہوئی تیار سواری کے لیے

تھی نظر محوِ تماشائے حسینانِ چمن
گل فشاں شاخِ گل تر یہ تھے مرغانِ چمن
گوہر افشانیِ شبنم سے بڑھی شانِ چمن
بھر گیا گوہرِ مقصود سے دامانِ چمن
عقل حیران تھی شبنم کی گہر باری پر
فرش تھا موتیوں کا مخمل زنگاری پر

مئے شبنم سے چھلکنے لگا پیمانۂ گُل
محفلِ نور میں وہ جلوۂ جانانہ گل
ہر طرف بزمِ عنادل میں تھا افسانۂ گُل
باغباں کا تھا یہ عالم کہ تھا دیوانۂ گُل
پھول گلشن میں صبا کی جو سنک پاتے تھے
ناز سے گود میں شاخوں کی مچل جاتے تھے

روشوں کے تھے کناروں پہ بیابانی پھول

دلِ مضطر کی مٹائے تھے پریشانی پھول
نرگسی پھول بھی کس درجہ تھے نورانی پھول
جن کا نہ ثانی تھا دنیا میں وہ لاثانی پھول
اوج پر دشت کی تقدیر نظر آتی تھی
چار سو خلد کی تصویر نظر آتی تھی

قطعات

(حسب فرمائش سماچار بمبئی 28 اکتوبر 30ء)

(مصرعہ طرح)

(1)

نرجس ہیں ایک نور کی صورت لئے ہوئے
جو ہے نبیؐ کی شکل و شباہت لئے ہوئے
حیرت فزا ہے امر پڑھیں مومنیں درود
عورت ہیں اور بار امامت لئے ہوئے

(2)

نرجس ہیں آئیں حق کی امانت لئے ہوئے
حکمِ خدا سے بارِ امامت لئے ہوئے
آتے ہیں یوں امامؑ زماں بادشاہِ دیں
محبوبؐ کردگار کی صورت لئے ہوئے

(3)

آئے ہیں جد کی سیرت و صورت لئے ہوئے
جو سربسر ہے جودت و جدت لئے ہوئے
کتفِ نبیؐ پہ مُہرِ نبوت تھی جس طرح
آئے ہیں یہ بھی مُہرِ امامت لئے ہوئے

(4)

خوشی حسینؑ کے آنے کی آج ہے گھر گھر
جہاں میں حوریں فرحناک ہیں مَلک در پہ
خوشی کا روز ہے مسرور سب ہیں خورد و کلاں
ہوا ہے خلق جہاں میں علیؑ کا نور نظر

(5)

وعدے جو خدا سے تھے ادا کر دے تم نے
نانا پہ بھی احساں بخدا کر دے تم نے
مغضوبِ الٰہی کی خطا بخش کے مولاؑ
فطرس کو پر وبال عطا کر دے تم نے

(6)

آئے حسینؑ خلق میں تسلیم کو اٹھو
آقائے دو جہان کی تکریم کو اٹھو
جلسہ میں آپ آئے ہیں تم سب کو دیکھنے
ہاں مومنو حسینؑ کی تعظیم میں اٹھو

(7)

ساقی میں بادہ نوشِ مئے پُر سرور ہوں
غلماں سے کچھ غرض ہے نہ خواہانِ حور ہوں
پیدائش امامِ سوم کا ہے آج دن
سہ آتشہ شراب کے نشہ میں چور ہوں

(8)

جبریلِ امیں پیشِ نبیؐ لائے ہیں
تحفے جنت کے حق نے بھجوائے ہیں
ہے جلسے میلادِ حسینؑ ابنِ علیؑ
خوش خوش جب ہی تو مومنین آئے ہیں

(9)

ہے تیسری مہ شعبان کی خوشی کا ہے دن
اسی سے خلق میں مسرور ہیں جوان و مُسن
یہی ہے امتِ عاصی کا شافعِ محشر
جہاں میں آتا ہے وہ جو نبیؐ کا ہے محسن

(10)

ہے صبح عید سے بھی شام آج کی بہتر
مَلک تو در پہ، ہیں مسرور گھر میں پیغمبرؐ
وہ آج آئے گا دو نور سے جو ہے مخلوط
کرے گا کسبِ ضیا جس سے خسروِ خاور

(11)

فکرِ سخن

طرزِ مداحی جدا طرزِ غزل خواں اور ہے
فکرِ ناداں اور ہے فکرِ سخنداں اور ہے

یوں تو ہے قرآن صامت تو بھی صورت نور کی
تھا سرِ نیزہ جو ناطق پہ وہ قرآں اور ہے
دامنِ حیدرؑ پکڑ کر ہم تو جنت کو چلے
تو جہنم جا کے منکر تیرا درماں اور ہے
یوں تو مداحانِ شہؑ میں ایک سے افضل ہے ایک
روپؔ کے نزدیک پہ فصلِ سخنداں اور ہے
روپؔ کنواری تجھ کو کیا خوفِ عدوِ تنگ دل
ہے قوی دشمن تو ہو تیرا نگہباں اور ہے

(قلمی بیاض نجم الحسن بیگ صاحب ٹنڈو آغا حیدر آباد سندھ۔
بشکریہ سیّد ارتضٰی عباس نقوی، کراچی)

سلام

مطلع

''دعائیں مانگی تھی جس کی برسوں جھکا کے سر ہاتھ اٹھا کر''

(22)اشعار

سلام

دعائیں مانگی تھی جس کی برسوں جھکا کے سر ہاتھ اٹھا اٹھا کر
ملا وہ تب مصطفیٰؐ سا بندہ دلا بس اب تو خدا خدا کر

دکھایا وحدت نے مجھ کو جلوہ دوئی کا پردہ اٹھا اٹھا کر
کروں میں اب بھی بتوں کو سجدہ ارے برہمن خدا خدا کر

ہے دل میں عشقِ علیؑ و احمدؐ انہیں سے در پردہ اب ہے الفت
خدا کے گھر میں رکھے ہیں قرآں بتوں کی نظریں بچا بچا کر

خدا کے محبوب تھے جو احمدؐ نہ پھر بنی آپ کی سی صورت
اگرچہ صانع نے لاکھوں نقشے بگاڑ ڈالے بنا بنا کر

پیوں گی اب گنگا جل نہ ساقی گناہ سمجھوں جب لب تک آئے
پوتر کر دے میں ترے صدقے شراب اطہر پلا پلا کر

علیؑ خدائی میں ہے وہ بندہ ہوئے ہیں سرکش بھی جس کے بندے
خودی سروں سے نکالی ان کے سروں کو ان کے جھکا جھکا کر

مثالِ ساغر لگا دیا ہے جو منہ کو شیشہ سے میں نے تیرے
کیا ہے مدہوش اُس نے ساقی شراب وحدت پلا پلا کر

نہیں ہے دل میں جو حُبِ حیدرؑ تو چاہِ کوثر کی ہر عبث ہے
اوڑائے چھینٹے تو کیا نتیجہ ہزار گنگا نہا نہا کر

حقیقتاً مرتضیٰؑ ہے بندہ خدا نصیری تو کہہ نہ اُس کو
وہ نا خدا ہے وہ ناخدا ہے خدا خدا کر ، خدا خدا کر

اٹھایا کو سب نے بابِ خیبر مگر نہ اٹھنا تھا پر نہ اٹھا
بنایا اک پل میں پُل اُسی کا علیؑ نے اس کو اٹھا اٹھا کر

کہاں ہے مرحب کدھر ہے عنتر نہ پوچھ حیدرؑ چلی کسی کی
سر اُن کے نیچے کیے علیؑ نے چلے تھے جو سر اٹھا اٹھا کر

سکھا کے توحید منکروں کو بتوں کو کعبہ سے ہے نکالا
طلسم باطل کو توڑ ڈالا صدائے حق ہیں سُنا سُنا کر

برنگِ گل داغِ حُبِ حیدرؑ ہمارے سینے میں ہے جو پنہاں
یہ پھول رکھا ہے دل میں ہم نے نظر سے سب کی چھپا چھپا کر

ازل سے تھی نارسا جو قسمت تو عمر صدموں میں ساری گزری
فلک نے برسوں ہمیں رُلایا جہاں میں دم بھر ہنسا ہنسا کر

رحیم کہتے ہیں تجھ کو ایشور معاف کر دے گناہ میرے
خطائیں مجھ سے ہوئیں ہیں ظاہر کیئے ہیں عصیاں چھپا چھپا کر

کیے ہیں بھگوان جرم بے حد مگر ہوں رحمت پہ تیری نازاں
سزا نہ دینا سزا نہ دینا گناہ میرے گنا گنا کر

نہیں محرم کا کو زمانہ مگر میں صدقے حسینؑ تم پر
نگہہ نے چشموں کی قدر رکھو دی انہیں سے دریا بہا بہا کر

غمِ شہیدانِ کربلا میں جو ڈبڈبائے ہیں اشک میرے
نہیں ہیں یہ چشم تر میں آنسو رکھے ہیں موتی سجا سجا کر

یہ میرے اشکوں کے چند قطرے سوا ہیں رتبہ میں گنگا جل سے
یہ حوضِ کوثر سے جا ملیں گے سفر کی آتش بجھا بجھا کر

خدا تمہیں کہہ رہیں ہیں اکثر نہ کس طرح یا علیؑ ہو حیرت
خدا نہ کہلا سکے مسیحا ہزاروں مردے جلا جلا کر

مجھے نہ محشر میں بھول جانا ازل سے ہوں یا علیؑ تمہاری
حضورِ حق آبرو بڑھانا کنیز اپنی بتا بتا کر

خبر نہ جب تک کہ راہ کی تھی تو روپؔ تو کس قدر رہے بہکی
عبث ہے پھر اب یہ بت پرستی خدا خدا کر، خدا خدا کر

اصلاح (فضل رسول صاحب)

شعر 2 کے مصرعہ ثانی:

کروں میں توبہ کہ بت پرستی ارے برہمن خدا خدا کر

شعر 4 مصرعہ اولی:

بنا نہ پھر تم سا یا محمدؐ نہ پھر ہوئی کوئی ایسی صورت

شعر 18 کی اصلاح:

غمِ شہیدانِ کربلا میں رواں ہیں آنکھوں میں اشکِ پیہم
جنابِ زہراؑ سے لوں گی جنت یہ سچے موتی لٹا لٹا کر

شعر 19 کے مصرعہ اولی:

ہمارے اشکِ عزا کے قطرے سوا ہیں رتبہ میں گنگا جل سے

شعر 20 کے مصرعہ اولی:

خدا علیؑ کو کہیں نصیری مجھے نہ کیوں کر ہو اس پہ حیرت

شعر 22 کی اصلاح

خبر نہ تجھ کو تھی راہبر کی اسی سے تو روپؔ اتنا بہکی
صنم پرستی سے توبہ اب کر خلوصِ دل سے خدا خدا کر

1/4/31

مکتوبِ اصلاح۔فضل رسول فضلؔ

باسمہٗ سبحانہٗ

اُردو زبان کے لیے اولاً شہر دہلی اس کے بعد لکھنو مسلم ہے۔لکھنو ایسا مانا گیا کہ اب دہلی سے اسکا پایہ امتیاز بڑھا ہوا ہے۔یوں سمجھنا چاہیے کہ دہلی میں اُردو کا بچپن کٹا اور لکھنو میں جوانی آئی اُردو میں جو شعر کہے گا ہندو ہو یا مسلمان اُس کو دہلی یا لکھنو کی تقلید لازم ہوگی۔ یہ اس واسطے لکھا گیا کہ اس نظم میں جا بجا محاورہ کی غلطیاں موجود ہیں جن کو درست کیا گیا۔ کہنے والوں کو یہ خیال نہ ہو کہ ہم تو یوں ہی بولتے ہیں۔یہی صحیح ہے۔اسے کیوں کاٹا،کیوں بنایا۔

اصلاح دینا بہت مشکل کام ہے اس لیے کہ کہنے والے کے خیالات کو پامال کر دینا اور اپنی طرف سے شعر نظم کر کے دے دینا اصلاح نہیں بلکہ جہاں تک ہو سکے اُس کے خیالات اور اُس کے جذبات اصلاح سے مٹنے نہ پائیں بلکہ اگر وہ درست ہیں تو روشن ہو جائیں اور اگر نادرست ہیں تو صحیح راستہ پر آجاویں۔جس طرح اصلاح دینا مشکل کام ہے اسی طرح اصلاح کا سمجھنا بھی آسان نہیں۔

اکثر ایسے ہوتا ہے کہ نادان کہنے والا ابتدا میں یہ سمجھتا ہے کہ ہم نے ٹھیک کہا تھا استاد نے شعر کو بنایا نہیں مٹا دیا۔اِسی سبب سے جن شعروں کو بنایا ہے اُن کے عیوب اور مصنف کا مطلب لکھ دیا کہ غور کیا جاوے اور اصلاح کو سمجھا جاوے۔اس طرح کی اصلاح کم دی جاتی ہے کیوں کہ وقت بہت صرف ہوتا ہے۔ مجھے یہ منظور ہے کہ برسوں کا کام دنوں میں ہو۔لہذا چند اشعار کے عیوب ظاہر کر کے اصلاح دی گئی

اور باقی اشعار بھی بنادیے گئے۔اگر اصلاح پسند ہوگی تو آئندہ دیکھا جائے گا

(1) دعائیں مانگی تھی ہم نے برسوں جھکا کے سر ہاتھ اٹھا اٹھا کر

اس مصرع کی ادا بہت خوب ہے لیکن ''ہم نے'' کا لفظ بلاضرورت ہے۔لہذا نکال دیا گیا۔سر جھکانا دلیل نیازمندی کی اور ہاتھ اٹھا اٹھا کر۔تصویر گڑگڑا کر التجا کرنے کی ہے۔لیکن دوسرا مصرع اچھا نہیں ایک تو کمزور ہے دوسرے یہ کہ (خدا خدا کر) جس مطلب کے لیے رکھا گیا وہ ادا نہیں ہوتا یعنی خلاف محاورہ ہے۔یہاں (خدا خدا کر کے یہ بات نصیب ہوئی) پورا ہونا چاہیے۔لہذا دل سے متوجہ اور مخاطب ہوکر اس محاورہ کو بنایا گیا۔مثلاً کسی کا شعر ہے

لائے اُس بت کو التجا کر کے   کفر ٹوٹا خدا خدا کر کے

(2) دکھایا وحدت نے مجھ کو جلوہ دوئی کا پردا اٹھا کر

کروں میں سجدہ بتوں کے آگے تو اے برہمن خدا خدا کر

شاعر بت پرست تھا کہ یکایک وحدت نے سامنے سے دوئی کا پردہ اٹھا کر اس کو جلوہ جو دکھایا تو ہوش آگیا اور سمجھا کہ خدا ایک ہے اُس کا کوئی شریک نہیں۔برہمن جس کا فریضہ ہے کہ بت پرستی کی طرف متوجہ کرے ترغیب دلائے۔اُسے اس کا یہ حال معلوم نہ تھا۔لہذا اُس نے اپنا کام انجام دینا چاہا شاعر اپنا واقعہ بیان کر کے برہمن سے تو کر کے خطاب کرتا ہے یعنی (حقیر سمجھتا ہے) مگر تو کا واؤ دب گیا ہے دوسرے یہ کہ اُس نے جس وقت بت پرستی پہلے کی اُس کے متعلق کوئی اظہار افسوس شعر میں نہیں لہذا دونوں طریقہ سے بنادیا گیا۔

1۔کروں میں اب بھی بتوں کو سجدہ ارے برہمن خدا خدا کر۔

2۔کروں میں توبہ کہ بت پرستی ارے برہمن خدا خدا کر۔

اب معلوم ہوا کہ وحدت کے جلوہ نے کام کیا۔ندامت اور غلطی کا اقرار توبہ پر آمادہ ہوا۔برہمن کا سمجھانا بے اثر بلکہ اس کو ہدایت کہ تو خدا خدا کر کہاں بت پرستی میں اوقات ضائع کرتا ہے۔

(3) ہے دل میں پوشیدہ عشقِ احمدؐ علی سے در پردہ ہے محبت
بتوں کی الفت گئی ہے دل سے خدا خدا کر، خدا خدا کر

لہٰذا پورے شعر پر یوں اصلاح دی گئی۔

ہے دل میں عشقِ علی و احمدؐ انھیں سے در پردہ ہے اب الفت
خدا کے گھر میں رکھے ہیں قرآں بتوں کی نظریں بچا بچا کر

دل خدا کا گھر کہلاتا ہے۔جب دل میں عشقِ علی اور احمدؐ پیدا ہوا تو گویا یہ قرآن خدا کے گھر میں رکھے چونکہ اس سے عشق کا الجھاؤ تھا اس لیے در پردہ کا لفظ صرف کیا گیا جو بالکل بیکار جارہا تھا بتوں کی نظریں بچا بچا کر کہنے سے شاعر کا مطلب پورا ہو گیا: بتوں کی الفت گئی ہے دل سے یہ بھی ثابت ہو گیا ورنہ نظریں بچا بچا کر قرآن رکھے نہ جاتے۔اس مطلب کے لیے دوسرے عنوان سے ایک شعر یہ بھی ہو سکتا ہے۔

بسے جو دل میں علی و احمدؐ رہی نہ غیروں کی ہم کو چاہت
خدا کے گھر پر ہوئے ہیں قابض بتوں کو دونوں گرا گرا کر

(4) خدا کے محبوب تھے جو احمدؐ نہ پھر بنی آپ کی سی صورت
اگرچہ صانع نے لاکھوں نقشے بگاڑ ڈالے بنا بنا کر

مطلب اس کا منزلوں دور نکل گیا..... کیوں کہ اس میں غلو تھا مگر شعر اچھا اور بے عیب ہو گیا۔مطلب یہ ہے لاکھوں پیدا ہوئے اور مر گئے مگر آپ کی ایسی صورت نہ دیکھی کیوں کر دیکھتے اس لیے کہ یہ حق کے محبوب تھے۔اپنے محبوب کی شکل کا دوسرا آدمی

کیوں کر بناتا۔پہلے مصرعہ میں (نہ بن سکی اُس کی سی صورت) کی بجائے (نہ ہو سکی کوئی ایسی صورت) زیادہ اچھا ہے۔

(5) اس شعر میں بجائے (میں) کے (اب) کر دیا ہے۔اور بجائے (زہر میں) کے (جو لب تک آئے) بنا دیا ہے۔دوسرے مصرعہ میں (ثواب لے لے) کی بجائے تمہاری زبان کے خیال سے (پوتر کر دے) کر دیا ہے اور لفظ کی مناسبت سے (طاہر) کی بجائے اطہر) کر دیا ہے۔

(6) چھٹے شعر میں (ہادی) کی بجائے (بندہ) زیادہ مناسب ہے۔دوسرے مصرعہ میں (خودی) دل میں نہیں آتی بلکہ سر میں ہوتی ہے اس لیے یوں کر دیا ہے۔

خودی سروں سے نکالی ان کی سروں کو ان کے جھکا جھکا کر

(7) اس شعر میں (برنگ ساغر) کی بجائے (مثالِ ساغر) اچھا ہے۔اور (ترے میں نے) کو مقدم و موخر کرنے سے زیادہ اچھا ہو گیا۔دوسرے مصرعہ میں (بے ہوش تنے) کی بجائے (مدہوش اُس نے) کر دیا ہے۔کیوں کہ لفظ مدہوش زیادہ مناسب اور بہتر تھا۔(تنے) کا لفظ خلاف زبان ہے۔اگر کہیں بولا بھی جائے گا تو (تونے) کہا جائے گا۔(شراب الفت) سے (شراب وحدت) شاعر کے لیے ضروری اور مناسب ہے۔

(8) (اگر نہیں دل میں حب حیدرؑ) اس میں سکتہ پڑتا ہے اس لیے (نہیں ہے دل میں جو حُبِ حیدرؑ)

(9) نعایت (17) اشعار میں معمولی الفاظ کی تبدیلی کی گئی ہے جس کو تم خود سمجھ لو گی اور پسند کرو گی۔

(18) پہلا مصرعہ بہت اچھا ہے۔سبحان اللہ کیا کہنا۔مگر دوسرا مصرعہ پہلے مصرعہ

کے مضمون کے خلاف ہے اس وجہ سے غلط ہوگیا۔ اس لیے پہلا مصرعہ یوں ہی رکھ کر دوسرا مصرعہ یوں بنا دیا۔ (جناب زہراؑ سے لوں گی جنت یہ سچے موتی لٹا لٹا کر) اور اگر دوسرے مصرعہ کو رکھنا منظور ہے تو پہلے مصرعہ کو یوں پڑھو (غم شہیدانِ کربلا میں جو ڈبڈبائے ہیں اشک میرے)

(19 نعایت 21) اشعار میں بھی معمولی الفاظ کی اصلاح ہے۔ مقطع میں زیادہ کاٹ چھانٹ کی گئی ہے مگر امید ہے کہ تم بھی پسند کرو گے۔ راہبر مل جانے یا راہ پر آجانے کے بعد صنم پرستی سے توبہ کرنا زیبا تھا۔

اس ایک سلام کی اصلاح میں وہ تمام نکات موجود ہیں جو روپ کماری کے کلام کے متعلق تمام شبہات کو دور کرنے کے لیے کافی ہیں۔ یہ بات عقل سلیم سے دور ہے کہ استاد فضل رسول اپنی نجی تحریروں اور خطوط میں یہ تمام مسائل اور نکات بیان کیوں کرتے؟

ف 1 سلام روپ کماری کے ہاتھ کی تحریر ہے۔

ف 2 اصلاح استاد فضل رسول کے ہاتھ سے دی گئی ہے۔

ف 3 خط اور صاف شدہ سلام فضل رسول کے ہاتھ کی تحریر جس پر سلام کی اصلاح کی تاریخ اپریل 1931ء بھی درج ہے۔

ف 4 فضل رسول صاحب کے ہاتھ کا لکھا ہوا خط جس میں توضیحات کے علاوہ یہ جملے۔

الف۔ ''چند اشعار کے عیب ظاہر کر کے اصلاح دی گئی اور باقی اشعار بھی بنا دیے گئے اگر اصلاح پسند ہوگی تو آئندہ دیکھا جائے گا۔''

ب۔ شاعر بت پرست تھا کہ یکا یک وحدت نے سامنے سے دوئی کا پردہ اٹھا

کر اُس کو جلوہ جو دکھایا تو ہوش آ گیا

ج۔ دوسرے مصرعہ میں (ثواب لے لے) کی بجائے تمہاری زبان کے خیال سے (پوتر کردے) کردیا ہے۔

د۔ (تنے) کا لفظ خلاف زبان ہے۔ اگر کہیں بولا بھی جائے گا تو (تونے) کہا جائے گا۔

ھ۔ (9) نعایت (17) اشعار میں معمولی الفاظ کی تبدیلی کی گئی جس کو تم خود سمجھ لو گی اور پسند کرو گی۔

و۔ (8) پہلا مصرعہ بہت اچھا ہے۔ سبحان اللہ کیا کہنا۔ مگر دوسرا مصرعہ پہلے مصرعہ کے مضمون کے خلاف ہے اس وجہ سے غلط ہوگیا۔

ز۔ مقطع میں زیادہ کاٹ چھانٹ کی گئی ہے۔ مگر امید ہے کہ تم بھی پسند کرو گے۔ راہبر مل جانے یا راہ پر آجانے کے بعد صنم پرستی سے توبہ کرنا زیبا تھا۔

فضل رسول صاحب نے اصلاح کے ساتھ ساتھ روپ کماری کے کلام کی داد بھی دی ہے۔ ایک غیر مطبوعہ مرثیہ جس کا قلمی نسخہ میرے کتب خانہ میں ہے اور جس کا مطلع ہے: ''کون سا دل ہے کہ جو دل نہیں دیوانہ عشق'' یہ مرثیہ حضرت عباسؑ کے حال کا ہے چناں چہ اس مرثیہ پر اپنے دستخط سے فضل رسول لکھتے ہیں۔

مصنفہ نورچشمی کنیز فاطمہ زہرا بیگم سلہما صاحبہ المتخلص بہ روپ۔

مرثیہ کے ترے مضمون ہیں اے روپ نفیس
چست بندش ہے زبان صاف ہے الفاظ سلیس
دیکھ کر اس کو یہ ہے فضل کی پیش گوئی
ہو گی تو طبقہ نسواں کی زمانہ میں انیس

اس قطعہ کی خوبصورتی یہ ہے اس میں انیسؔ کے مقابل قافیوں میں انیسؔ کے فرزندوں کے تخلص نفیسؔ اور سلیسؔ لائے گئے ہیں۔

مرثیہ کے اختتام پر لکھتے ہیں۔

بہترین مرثیہ ہے خصوصاً تلوار اور گھوڑے کی تعریف نے لاجواب کر دیا ہے۔مرثیہ میں مصنفہ موصوفہ زید اللہ عزہا کے جذبِ حقیقی کی کھلی نشانیاں ہیں۔زبان کی اصلاح بلحاظ زبان رایجہ حال ہے اگر اساتذہ متقدمین نے کوئی لفظ یا محاورہ اپنے مرثیوں یا غزل وغیرہ میں استعمال کیا ہے اور فی زمانہ متروک ہے تو اُن اساتذہ سے سند نہیں لی جاسکتی بلکہ حال کے اساتذہ کا کلام اس کا معیار ہے۔بہرنج مرثیہ ہذا جواہرات ایمانی وروحانی کا گنجینہ ہے ماشا اللہ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ

اس مرثیہ کے مصرعہ ۔"اُڑنے میں نکہتِ گل جھومنے میں ابرِ بہار" پر صاد لگا کر لکھتے ہیں۔اس مصرعہ پر "ـؔ" بنانے سے نیت سیر نہیں ہوتی۔

اس گھوڑے کی تعریف کے بند پر تین صاد "ـؔ" لگا کر لکھتے ہیں۔"صحیح داد کی قدرت نہیں کیوں کہ یہ قوت شعری موید من الغیب ہے۔

فوج کے دور میں پھرنے لگا مانندِ نظر
چرخ چکرا گیا دیکھا جو فرس کا چکر
ساتھ رہوار کے وہ گردشِ تیغِ حیدرؑ
کاٹ کر کاسۂ سر بھرنے لگی قصرِ سفر
دامنِ گرد میں ہر جسم نہاں ہونے لگا
کشتوں پر ریت کی پشتوں کا گماں ہونے لگا

ذیل کے پورے بند پر صاد "ـؔ" لگا کر لکھتے ہیں۔اس بند کی تعریف نہیں

ہوسکتی۔مستغنی عن الداد ہے۔سبحان اللہ۔اور اس آخری مصرعہ پر کہتے ہیں۔کیا مصرع کی بے جھجک روانی ہے۔اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ۔

کھینچتے ہی تیغ دو پیکر کے بد اختر بھاگے
منقلب قلب ہوئے فوج کے افسر بھاگے
میمنہ ہوگیا پامال ستم گر بھاگے
میسرا والے سراسیمہ و مضطر بھاگے
یہ پرا توڑ گیا رخش وہ صف روند گیا
ابر میں ڈھالوں کے بجلی کی طرح کوند گیا

ذیل کے پورے بند کے بارے میں لکھتے ہیں۔یہ بند رفعت داد سے بالا ہے

نہ چلی توسنِ چالاک سے حیلہ سازی
دم بخود ہو کے عدو بھول گئے دم بازی
پشت پہ اُس کے تھا عباسِ علی سا غازی
اٹھا اک محشرِ تازہ جدھر آیا تازی
ہوش اُڑاتا تھا لعینوں کے وغا سے پہلے
سر پہ اعدا کے پہونچتا تھا قضا سے پہلے

کھینچ کر تیغ علمدارؑ دلیر آپہونچا
گردنیں ڈال دیں گھوڑوں نے کہ شیر آپہونچا

اس شعر کے بارے میں لکھتے ہیں "کیا قدرفطری کا منظر پیش نظر کر دیا ہے، سبحان اللہ

اس مرثیہ میں استاد فضل رسول نے روپؔ کے شعر۔

نا امیدی دلِ عاشق میں چمٹ کر بیٹھی
رات معشوق کی زلفوں میں سمٹ کر بیٹھی

کو یوں تبدیل کر دیا۔

بیٹھ کر ڈالیوں پر حمدِ خدا کرنے لگے
سب کے سب اپنی زبانوں میں دعا کرنے لگے

ذیل کے بند کے دوسرے شعر پر صاد لگا کر لکھتے ہیں۔ ''جب یہ حالت ہے تو کیوں نہ کہوں میں الہام۔ ان دونوں مصروع کی داد کیوں کر ہو سکتی ہے۔ یہ امامؑ جانیں۔ اور آخری مصرعہ کے لفظ ''مریضِ تپِ فرقت'' پر صاد لگا کر کہتے ہیں۔ ''العظمت للہ''

غل تھا گر باگ کا راکب سے سہارا پائے
اس کی سرعت کو نہ پھر کوئی ستارا پائے
ہو ابھی داخلِ جنت جو اشارہ پائے
جو یہ حالت ہو تو کیا ذہن ہمارا پائے
آنے میں عاشقِ صادق کی طبیعت سے سوا
جانے میں صبر مریضِ تپِ فرقت سے سوا

سلام

مطلع

''علی خلیفۂ برحق علی شہِ عادل''

(15) اشعار

تصنیف: اپریل 1935ء

سلام

علیؑ خلیفۂ برحق علیؑ شہ عادل — علیؑ وصی بلا فصل و رہبرِ کامل
علیؑ قسیم و علیؑ قاسم و علیؑ قسمت — علیؑ ہے بحرِ سخا و کریم و دریا دل
علیؑ نعیم و علیؑ منعم و علیؑ نعمت — علیؑ کے نور میں ہے نورِ کبریا شامل
علیؑ کفیلِ مہمات انبیائے سلف — علیؑ یداللہ و حلّالِ عقدۂ مشکل
علیؑ لسانِ خدا ہے علیؑ ہے وجہ اللہ — علیؑ کی وجہ سے دینِ خدا ہوا کامل
علیؑ ہے بازوئے احمدؐ علیؑ ہے دستِ خدا — لوائے فوج کا شرعِ مبین کا حامل
علیؑ نہ حق سے جدا ہے نہ حق علیؑ سے جدا — خدا کا نور ہے نورِ علیؑ میں جب شامل
علیؑ کی راہ سے بندے خدا اتلک پہونچے — دکھا رہی ہے یہ قرآنِ پاک کی منزل
نصریوں کا خدا نا خدا خدائی کا — کہ جس کا ذکر عبادت میں ہو گیا داخل
علیؑ کے نام کو عظمت دی حق نے قرآن میں — ہوا خطاب علی العظیم کا حاصل
وہ بے کنار ہے دریائے منقبت اُس کا — ملا نہ خضر کو بھی جس کا آج تک ساحل
وہ طفل مہد میں چیرا تھا جس نے اژدر کو — لوائے فوج خدا کا ہوا وہی حامل
عبادتِ دو جہاں سے ہے جس کی ضرب سوا — بنا گئے ہیں یہ جبریلؑ و رہبرِ کامل
قدم علیؑ کے جو چومیں فلک تو فخر ہے کیا — شرف یہ مُہرِ نبوت نے جب کیا حاصل
کرے گی اسکی ثنا کیا بھلا تو روپؔ کنوار — کجا یہ مدح کجا تجھ سی بے خبر جاہل

مرثیہ اول

مطلع:

''بحر وحدت کی شناور ہے طبیعت میری''

مطلع ثانی:

''زینتِ بزمِ فصاحت ہے محمدؐ کی ثنا''

(137) بند

درحال جنابِ رسولِ خداؐ

تصنیف کنیز فاطمہ زہرا المتخلص بہ روپؔ

سرورق پر یہ قطعہ لکھا ہے۔

کنیز فاطمہ زہرا ہے جو مری جاں ہے
جو مسلمہ بھی نہ تھی اب وہ عین ایماں ہے
ہے اُس کی مرثیہ گوئی میں فضلؔ کا یہ قول
جہاں میں اب وہ انیسؔ گروہ نسواں ہے

آخری صفحہ پر تمت بالخیر کے بعد لکھا ہے۔نظرِ ثانی کردہ و ترتیب دادہ صاف نمودہ بتاریخ 20 نومبر 1937ء بمقام موضع کوتھا نودنا ضلع پرتاب گڑھ تحریر نمود مطابق 30 رمضان المبارک 1330ھ یوم پنجشنبہ

بحرِ وحدت کی شناور ہے طبیعت میری

بحرِ وحدت کی شناور ہے طبیعت میری
گو ہوئی مشرکوں کے گھر میں ولادت میری
کفر اور شرک سے ہے پاک جو طینت میری
ہوش آتے ہیں بڑی کفر سے نفرت میری
مئے توحید تھی گھُٹی میں جو شامل ساقی
اس لیے طبع ہے اسلام پہ مائل ساقی

میکدہ جس کا بنا خانۂ قدرت وہ پلا
جس کے اجزا سے ہوئی خلد کی خلقت وہ پلا
جس کا ہر دور بنا دورِ عبادت وہ پلا
میرے پرماتما کو جس سے ہے رغبت وہ پلا
دور جس کا رہا عرفان کے پیمانہ میں
رہی ہر پھر کے جو قرآن کے میخانہ میں

اِسی میخانۂ قرآں سے چلا نامِ شراب
تیس خُم اس میں ہیں اللہ رے اکرامِ شراب
سورے شیشے ہیں تو آیت کے نشاں جامِ شراب
سطریں ہیں کشتیِ مئے وقف لیے کامِ شراب
بعد محشر بھی یہ میخانہ سدا باقی ہے
اسی میخانہ کا ہمنامِ خدا ساقی ہے

اس کے ہر گھونٹ میں ہے ساغرِ کوثر کا مزا
نشہ میں اس کے ہے حلِ نعتِ پیمبرؐ کا مزا
اس کی مدہوشی میں ہے الفتِ حیدرؑ کا مزا
حق چکھائے مجھے اُس بادۂ اطہر کا مزا
جو ہیں بے ہوش انہیں ہوش میں یہ لاتا ہے
اس کے چھینٹے ہی سے مینوش کو جوش آتا ہے

اس کا ہر جام ہے میرے لئے خالص ایمان
شیشہ قرآن ہے پیمانہ حروفِ قرآن
تن جو فرقان کو کہیئے تو یہ ہے روحِ روان
یہی مئے پی کے بنے حضرتِ آدم انسان
اس کا ہر گھونٹ نیا لطف دکھلاتا ہے
اس کے پیتے ہی خدا ایک نظر آتا ہے

آنکھ کھلتے ہی میں اس مئے کی طلب گار ہوئی
ہوش قائم رہے اس طرح سے سرشار ہوئی
سولھویں سال کی آمد تھی کہ بیدار ہوئی
نشہ جب حد سے سوا ہوگیا ہوشیار ہوئی
کفر اور شرک کی آغوش میں پالا اس نے
ڈوبی گنگا میں تو کوثر پہ نکالا اس نے

کس کو کونین میں حاصل ہوئی دولت ایسی
خلق میں کس کو میسر ہوئی قسمت ایسی
کس نے سنسار میں پائی کہو نعمت ایسی
بخشے ہر ایک کو بھگوان سعادت ایسی
پائی عزت شہِ ذی شان کی ثنا خواں ہو کر
مل گئی جو رو نمیں اللہ میں انساں ہو کر

کس کو کونین میں یہ رتبۂ ذی جاہ ملا
ظلمتِ کفر مٹی مطلبی ماہ ملا
پیاس میں جامِ مئے حُبِّ ید اللہ ملا
مجھ کو خضرِ رہ فردوس سرِ راہ ملا
اوج کیا کیا نہ تہہ گنبدِ افلاک ملے
ایک اللہ ملا پنجتن پاک ملے

حق کی صورت نظر آئی تو نہ باطل ٹھہرا
قافلہ ہوش و خرد کا سرِ منزل ٹھہرا
کلمہ پڑھتے ہی تسکین ہوئی دل ٹھہرا
میرے مقصد کا سفینہ اب ساحل ٹھہرا
راہ پُر خار معاصی سے کہاں تک پہونچی
درِ محبوب الٰہی سے جناں تک پہونچی

افتخارِ عملِ خیر ہے یہ شغلِ سعید
چھوڑ دوں مدحتِ حیدرؑ کو یہ مجھ سے ہے بعید
مدح کی ح کو سمجھتی ہوں ہلالِ مہِ عید
رات جا کر سحر آتی ہے تو ہے عید کی دید
قصہ کوتاہ یوں ہی غم میرا بٹ جاتا ہے
دن اسی مدح میں مدّاح کا کٹ جاتا ہے

ہے یہی مدح میرے باغِ سخن کی زینت
مشغلہ ہے یہ میرے چال و چلن کی زینت
اس کی ہستی میں ہے ہستی کے چمن کی زینت
ہے یہی پھول ہر ایک غنچہ دہن کی زینت
باغِ جنت یہی مدّاح کو دکھلاتی ہے
بس اسی مدح سے بھگوان کی یاد آتی ہے

اس پہ کچھ فخر نہیں ہے کہ سخن داں ہوں میں
ناز اس کا ہے کہ احمدؐ کی ثنا خواں ہوں میں
اپنے ممدوح پہ سو جان سے قرباں ہوں میں
حق کے محبوبؑ کی مداحی پہ نازاں ہوں میں
فخر کرتا ہے میرا بختِ رسا اپنی جگہ
اپنا یہ فخر و تبختر ہے بجا اپنی جگہ

کر دیا ہے مجھے مداحیِ سرورؔ نے نہال
بدر کی طرح سے پایا میری قسمت نے کمال
ہر سحر یاد بتوں کی جو تھی جی کا جنجال
شکر معبود کا وہ دل سے گئی مثلِ خیال
لے برہمن ترے زنار کو توڑا میں نے
تیرے پتھر کے خداؤں کو بھی چھوڑا میں نے

جب سے مداحوں میں سرورؔ کے جگہ ہے پائی
میں ہوں اور طعن عزیزوں کی ہے اور تنہائی
بارہا یہ دلِ مردہ سے ہے آواز آئی
بھاگ ان بردہ فروشوں سے کہاں کے بھائی
کیا غرض ان کو بہن ہوئے کہ مادر ہوئے
بیچ ہی ڈالیں جو یوسفؑ سا برادر ہوئے

سن کے تصنیف یہ بدخواہوں کی حالت ہے تباہ
زندگی پر مری مرنے لگے انا اللہ
میری تصنیف کا سننا بھی سمجھتے ہیں گناہ
پر مجھے کچھ بھی شکایت نہیں ایشور ہے گواہ
شاعرہ ہوں میں نہ دعویٰ سخن دانی ہے
رنج ہوتا ہے کہ یہ فطرت انسانی ہے

کوئی کہتا ہے حسد سے یہ نہیں اس کا کلام
بعض کا قول ہے تعلیم کا دیکھا انجام
کوئی کہتا ہے کہ ماں باپ کا اچھا کیا نام
سب یہ کہتے ہیں کہ مرغوب ہے اس کو اسلام
کوئی کہتا ہے دھرم خلق میں کھویا اس نے
کوئی کہتا ہے کہ نام اپنا ڈبویا اس نے

کوئی جل بھن کے حسد سے یہی کرتا ہے سخن
رام ایسا ہو کٹے اس کی زباں اس کا دہن
کمسنی میں تو یہ ہرگز بھی نہ تھا چال و چلن
جب جواں ہونے کو آئی ہے تو سیکھا ہے یہ فن
ہوش آیا ہے تو مدہوشی کی یہ صورت ہے
دیوتا دیکھ کے کہتی ہے کہ یہ مورت ہے

کوئی کہتا ہے کہ غارت کرے اس کو بھگوان
کوئی کہتا ہے یہ انسان نہیں ہے شیطان
کوئی کہتا ہے کہ اسلام پہ ہے یہ قربان
کوئی کہتا ہے کہ دھرتی سے مٹے اس کا نشان
رنج پہونچے کسی صورت مجھے یہ سوچتے ہیں
پانی پی پی کے غرض شام و سحر کوستے ہیں

کوئی کہتا ہے کہ اچھے نظر آتے نہیں طور
اس کے تیور ہیں جدا اس کی نگاہیں ہیں اور
قوم آزادی پہ اُس کے نہیں کرتی کچھ غور
دھرتی میں آیا ہے بھگوان یہ کس طرح کا دور
اس طرح عقل کسی دیوی کی برباد نہ ہو
کوستا ہے کوئی بھگوان یہ آباد نہ ہو

ہو گئی ہے اسے پوجا کے سخن سے نفرت
باغِ اسلام سے خوش اپنے چمن سے نفرت
جن میں پروان چڑھی ان کے چلن سے نفرت
اہلِ اسلام پہ دل اہلِ وطن سے نفرت
گر یہی حال طبیعت کی ہے آزادی کا
دیکھ لینا کہ یہ دن دیکھے گی بربادی کا

دن گزرتا ہے اسی طرح سے رنج و غم میں
ان کا قابو ہو تو ہم کو یہ مٹا دیں دم میں
اس کشاکش کے سبب دل ہے عجب عالم میں
ہم ہیں دنیائے تغیر میں تغیر ہم میں
فکر میں ہیں سحر و شام کشتی دیکھو
جزر و مد میں حق و باطل کی ہے کشتی دیکھو

کبھی باطل کی بلا اپنی طرف کھینچتی ہے
گاہ دنیا کی ہوا اپنی طرف کھینچتی ہے
کش مکش میں ہوں فنا اپنی طرف کھینچتی ہے
اور محمدؐ کی ولا اپنی طرف کھینچتی ہے
بت کدہ کو کوئی باجور لئے جاتا ہے
لطف ایشور کا کہیں اور لئے جاتا ہے

آئی اتنے میں یہ ہاتف کی صدا نہ ہو ملول
تو ہے اب فاطمہؑ زہرا کی کنیز مقبول
اب تو ہے سایا فگن سر پہ ترے فضلِ رسولؐ
تیرے آزار کی کوشش میں ہیں دشمن یہ فضول
تیری پشتی پہ شہنشاہِ ہدیٰ آئیں گے
تیری امداد کو اب شیرِ خدا آئیں گے

سُن کے یہ مژدہ میرے دل پہ اثر کچھ بھی نہیں
پنبہ درگوش ہے دل ، دل کو خبر کچھ بھی نہیں
شور یہ کچھ بھی نہیں ان کا یہ شر کچھ بھی نہیں
باتیں دکھ در کی سب کچھ ہیں مگر کچھ بھی نہیں
ان کی غفلت پہ میں ہنستی ہوں یہ جب روتے ہیں
کیوں کہ میں جاگتی ہوں اور یہ سب سوتے ہیں

میں نہ جاہل ہوں نہ کچھ عقل میں آیا ہے فتور
بادۂ حُب نبیؐ پی کے ہوئی ہوں مخمور
وصف سے آلِ نبیؐ کے ہے طبیعت مسرور
اس خطا پر بھی ملیں گے مجھے جنّت میں قصور
مجھ کو راحت کے ہیں ساماں نظر آنے والے
میرے حامی ہیں محمدؐ کے گھرانے والے

ساقیا بادۂ توحید کا دے جام مجھے
دل ہے بے چین پلا جلد دل آرام مجھے
باندھنا ہے تیرے میخانہ کا احرام مجھے
طوف جس کا کہ ہے لازم سحر و شام مجھے
باندھوں احرام تو اوصاف بصد کد لکھوں
حمدِ محمود لکھوں نعتِ محمدؐ لکھوں

انبیا جس سے ہیں مخمور وہی مے دینا
اوصیا جس سے ہیں مخمور وہی مے دینا
اولیا جس سے ہیں مخمور وہی مے دینا
اتقیا جس سے ہیں مخمور وہی مے دینا
شبِ معراج کو جو شاہِؐ ہدیٰ نے پی تھی
ساتھ محبوب کے پردہ میں خدا نے پی تھی

جس کے چھینٹے سے بنے خلق میں آدم انساں
جس کے نشہ میں ملی نوحؑ کو طوفان سے اماں
جس کی برکت سے سلیمانؑ کو ملا تختِ رواں
جس کی تاثیر سے عیسیٰؑ تھے مسیحِ دوراں
اُس کے اوصافِ جلیلہ کو کہاں تک لکھوں
ختم ہوں گے نہ کبھی ان کو جہاں تک لکھوں

سب سے پہلے جسے بھگوان نے چکھا وہ پلا
جس کو حیدرؑ سے مسلمان نے چکھا وہ پلا
کربلا کے جسے مہمان نے چکھا وہ پلا
جس کو ہر صاحب ایمان نے چکھا وہ پلا
جس کے پینے سے پیمبرؐ نہ کوئی چھوٹا ہے
عرش پر قدسیوں نے جس کا مزا لوٹا ہے

یہی مے تشنۂ اسلام کی گویا ہے سبیل
عمر بھر پیتے رہے ہیں اسی بادہ کو خلیل
سندیں اس پہ ہیں توریت و زبور و انجیل
انتہا یہ ہے کہ پیتا ہے اسے ربِ جلیل
عرش پر نور ہوا جب یہ ستارہ چمکا
بن چکی یہ تو پھر اسلام کا تارہ چمکا

یہ وہ مے ہے کہ جسے حضرتِ زہراؑ نے پیا
یہ وہ بادہ ہے جسے مریمؑ و سارہؑ نے پیا
اس کو یعقوبؑ نے یوسفؑ نے زلیخاؑ نے پیا
اس کو موسیٰؑ نے پیا اس کو مسیحاؑ نے پیا
اِسی خم خانہ ایماں کا خدا ساقی ہے
سب نے پی پھر بھی یہ مے حشر تلک باقی ہے

یہی مے یاد دلاتی ہے خدا کی باتیں
سرزد اس سے نہیں ہوتی ہیں خطا کی باتیں
اس کو پی کر نہیں بھاتیں جہلا کی باتیں
اس سے کرنے لگی ہیں اہلِ ہُدا کی باتیں
کفر کے زہر کا ایسا کوئی تریاق نہیں
ہے خمار اس میں خمر کا مگر اطلاق نہیں

بنے نوشندہ جو اس مے کا یہ قسمت کس کی
یہ وہ ہے کوثر تو تسنیم ہیں نہریں جس کی
یہی اکسیر ہے دنیا میں گھنہ کے بس کی
طاہر ایسی کہ قسم کھائے طہارت اس کی
عرش پاک اس مے نایاب کا خمخانہ ہے
دلِ مومن اسی بادہ کا تو پیمانہ ہے

قطرہ جس بادہ کا ہے مظہرِ قدرت وہ شراب
رنگ جس پھول کا ہے عینِ طریقت وہ شراب
ہے جو خم خانہ توحید کی زینت وہ شراب
جس کے پینے کی ہے قرآں میں ہدایت وہ شراب
کاسۂ بادۂ توحید ہے ساغر جس کا
ہاں وہی مے ہو کہ اک قطرہ ہے کوثر جس کا

نشہ میں اپنا جو رکھتی نہیں ثانی وہ شراب
ساقیا خوفِ اجل جس سے ہو فانی وہ شراب
بعد مردن جو بقا کی ہے نشانی وہ شراب
دامنِ چادرِ زہراؑ میں جو چھانی وہ شراب
وہ نہ ہو راہ دکھاتی ہے جو گمراہی کی
دے وہ مے جس سے سلیماں نے شہنشاہی کی

جس کا پیمانہ ہے پیمانہ تائیدِ خدا
نشہ جس بادہ کا ہے مظہرِ تمجیدِ خدا
بوندیاں جس کی بنیں گوہرِ تجیدِ خدا
جس کی ٹُل ٹُل سے نکلنے لگی توحیدِ خدا
پانچ ارکان ہیں اس بادۂ یکتائی میں
میرے ایشور نے پیا ہے جسے تنہائی میں

کیا بیاں ہو ترے بادہ کا شرف اے ساقی
مئے کہوں یا دُرِ ایماں کا صدف اے ساقی
صاف اب کیوں نہ میں کہہ دوں بہ حلف اے ساقی
پی چکے جس کو رسولانِ سلف اے ساقی
پائی جب تک نہ یہ مئے قلب کو قوت نہ ملی
بے پیئے اس کے رسولوں کو رسالت نہ ملی

وہ ملے مئے تو لکھوں حمدِ خدائے دوسرا
اس کے پینے میں ہے توحید کے لکھنے کا مزا
دیر سے پی نہیں ساقی تو نہیں ہوش بجا
کر نہ تاخیر مجھے بہرِ خدا جلد پلا
حق سے امداد ملے تجھ سے مجھے جام ملے
داد غفار سے مہراج سے انعام ملے

میرے بھگوان مجھے زور طاقت دے دے
مجھ کو اے قادرِ کل نظم پہ قدرت دے دے
حمد تیری لکھوں اتنی مجھے ہمت دے دے
نظم پُر زور ہو ایسی مجھے قوت دے دے
امر دشوار ہے پڑتی نہیں ہمت میری
لایقِ حمد نہیں تیرے لیاقت میری

صنعتِ صانعِ قدرت کا بیاں مشکل ہے
راز قدرت کرے انسان عیاں مشکل ہے
کس طرح پہونچے وہاں وہم وگماں مشکل ہے
جب تلک ہو نہ پیمبرؐ کی زباں مشکل ہے
مجھ سے اُس وقت بیاں ہو سکے اس کی توحید
یا خدا یا کہ ہو ہمنامِ خدا کی تائید

آب پر خاک کے طبقوں کو بچھایا اُس نے
ان کے دامن پہ پہاڑوں کو جمایا اُس نے
آسمانوں کو ستاروں کو سجایا اُس نے
مختصر یہ کہ دو عالم کو بنایا اُس نے
ماہ و خورشید سے مخلوق کا دل شاد کیا
خاک کے پتلوں سے اس ارض کو آباد کیا

دیکھ کر گلشنِ ایجاد کا نقشہ پیہم
متحیّر میں ہوئی ہوں صفتِ نقشِ قدم
نت نئی شان جو یہ پیشِ نظر ہے ہر دم
کیا کہوں میں میرے خالق تری قدرت کی قسم
بس یہی منہ سے نکل جاتا ہے لاچاری میں
کوئی معشوق ہے اس پردۂ زنگاری میں

اُسی معشوق کے ہے نور کا جزو ان کا نور
عالِم علمِ خدا آیت خلّاق و غفور
جن کی ہر حال میں ایشور کو ہے خاطر منظور
نام پاک ان کا محمدؐ ہے جہاں میں مشہور

میں نے محبوب خدا خلق میں وہ پایا ہے
شان میں جس کی کہ لولاک لما آیا ہے

یا علی نفسِ نبیؐ مجھ کو طاقت ہو عطا
گنگ ہوں نطق عطا کر کے فصاحت ہو عطا
خوف دوزخ کا ہے فرمانِ برآت ہو عطا
مضطرب ہوں سندِ بخشیشِ جنت ہو عطا

دستخط ہوں تو میری نظم کا رتبہ بڑھ جائے
صاد کر دیجئے تو مداحوں میں چہرا چڑھ جائے

حل ہو مشکل مری یا عقدہ کشا اورکنی
عالِم علمِ رسولؐ دوسرا اورکنی
اے محیطِ کرم و جود و سخا اورکنی
اے دُرِ تاجِ سرِ عرشِ علا اورکنی

آپ کی گر مدد اے دین کے سلطاں ہو جائے
نکتہ نکتہ میرا خورشید درخشاں ہو جائے

آپ گر چاہیں تو اک قطرہ کو دریا کر دیں
ہو سیہ تاب تو رشکِ یدِ بیضا کر دیں
نظرِ مہر سے اعمیٰ ہو تو بینا کر دیں
میری اس نظم کا سب خلق میں شہرا کر دیں

آپ کا گر کرم و لطف و عنایت ہو جائے
میری اس حمد کی اور نعت کی شہرت ہو جائے

خلق میں آپ کی بخشش کی ہر اک سمت ہے دھوم
کیجیے امداد تو کچھ اُس کی صفت ہو مرقوم
جس مدینے سے ہوئے آپ شہا بابِ علوم
جس کا واصف ہوا قرآں میں خدائے قیوم

قصد توصیفِ شہنشاہِ ہدا کرتی ہوں
دیکھیے ہوتا ہے کیا کار خدا کرتی ہوں

آپ امداد کو آئیں میں اٹھاتی ہوں قدم
گو کہ یہ سچ ہے کہ میرے لئے ہے امرِ اہم
دل نہیں مانتا مولا میں بڑھاتی ہوں قدم
آپ پشتی پہ رہیں گر تو طاقت نہو کم

اب زباں رکتی ہے میری نہ قلم رکتا ہے
چپ رہوں وصفِ محمدؐ میں تو دم رکتا ہے

مطلع دوم

زینتِ بزمِ فصاحت ہے محمدؐ کی ثنا
گوہرِ تاجِ بلاغت ہے محمدؐ کی ثنا
رونقِ تختِ طلاقت ہے محمدؐ کی ثنا
ہاں کلیدِ درِ جنت ہے محمدؐ کی ثنا
خلق میں بندوں پہ اللہ کی رحمت ہے یہی
ہیں جو گمراہ انھیں راہِ ہدایت ہے یہی

نیّرِ بُرجِ رسالتؐ ہے محمدؐ کی ثنا
قمرِ منزلِ جنت ہے محمدؐ کی ثنا
کوکبِ راہِ ہدایت ہے محمدؐ کی ثنا
نجمِ تابندۂ قدرت ہے محمدؐ کی ثنا
جس طرح سب کے لیے حمدِ خدا واجب ہے
بس اُسی طرح محمدؐ کی ثنا واجب ہے

بابِ رحمت ہے درِ فضلِ خدا ہے یہ ثنا
جس کا ایشور ہے ثنا خواں وہ ثنا ہے یہ ثنا
ہر ثنا سے ہے جدا سب سے سوا ہے یہ ثنا
میرے ایشور میں کہوں کیا اِسے کیا ہے یہ ثنا
خود وہ اعلیٰ ہے جو اس مدح کا متوالا ہے
سب ثناؤں میں محمدؐ کی ثنا بالا ہے

اختلاجِ دلِ مضطر کی دوا ہے یہ ثنا
دردِ عصیاں کے لیے خاکِ شفا ہے یہ ثنا
کیا کہوں کیا نہ کہوں کس کی ثنا ہے یہ ثنا
نعتِ احمدؐ کہوں یا حمدِ خدا ہے یہ ثنا
طائروں کی جو زباں پہ یہ ثنا آتی ہے
ہر نشیمن سے ہری ہر کی صدا آتی ہے

کیوں نہ ہو عرش کی ہمتا یہ ثنائے عالی
گلشنِ مدح کے پودوں کا خدا ہے مالی
اے ثنا والے یہ لونڈی ہے تری متوالی
صفتیں تیری کتابوں میں ہیں دیکھی بھالی
غیر مسلم ہوں بظاہر پہ ثنا گستر ہوں
یہ عقیدہ ہے کہ باطل پہ نہیں حق پہ ہوں

یہ ثنا مژدۂ بخشش ہے ثنا خواں کے لیے
شمعِ اسلام کا جلوہ ہے مسلماں کے لیے
دل ہے انساں کے لیے جاں ہے بنی جاں کے لیے
بو ہے گلشن کے لیے روح ہے ریحاں کے لیے
صبح سب طاعتِ خلّاق ادا کرتے ہیں
غنچے کھل کھل کے محمدؐ کی ثنا کرتے ہیں

یہ ثنا وہ ہے جو ہے بامِ سعادت کی کمند
اوج میں عرشِ معلّی سے نہیں کم بلند
کھل کے در اس کا درِ قہرِ خدا کرتا ہے بند
یہ ثنا وہ ہے جو آئی مرے ایشور کو پسند

تجربہ عشق و محبت کا یہ بتلاتا ہے
ذکرِ محبوب سے عاشق کو قرار آتا ہے

کیوں بشر ہیں متحیّر صفتِ آئینہ
یہ ثنا رحمتِ اللہ کا ہے گنجینہ
جس کو سوجھی نہیں یہ راہ وہ ہے نابینا
اس پہ موقوف ثنا خواں کا ہے مرنا جینا

بعد مرنے کے میں فردوس میں جب جاؤں گی
تب صلہ نعتِ محمدؐ کا وہاں پاؤں گی

جس کو شک ہو چمنِ خلد کا دیکھے وہ سماں
کس طرح نعت بیاں کرتے ہیں مرغانِ جناں
وہ طرب خیز ترانے وہ دل آویز سماں
لحن دلکش وہ کہ داؤد ہوں سُن کے حیراں

بلبلیں مدح سرا شاخوں پہ جب آتی ہیں
حوریں سُن کر ہمہ تن گوش ہوئی جاتی ہیں

جھومنے لگتے ہیں پودے یہ ثنا سُن سُن کر
خلد بس جاتا ہے بو دیتے ہیں ایسی گُلِ تر
ساتھ اُڑتے ہیں جب سب طیر ملائے ہوئے پَر
یا محمدؐ کوئی کہتا ہے کوئی یا حیدرؓ

سو زبانوں سے یہی کام سدا کرتا ہے
گُلِ صد برگ بھی احمدؐ کی ثنا کرتا ہے

ہر لبِ گل سے نکلتی ہے ثنائے احمدؐ
سب سمجھتے ہیں کہ گویا ہیں برائے احمدؐ
کیسی پُر کیف ثنا ہے میں فدائے احمدؐ
اب ثنا خواں کے بھی سر میں ہے ہوائے احمدؐ

ڈر نہیں کفر کا لو حد سے میں اب بڑھتی ہوں
صاف کہتی ہوں نبیؐ کا کلمہ پڑھتی ہوں

نعت کا چرچا ہو کیوں کر نہ ثنا خوانوں میں
ان کے باعث سے بہار آئے گلستانوں میں
ایسا ہوگا نہ ہوا ہے کوئی انسانوں میں
کلمہ پڑھتے ہیں سب جن کا صنم خانوں میں

ان کا جلوہ ہے بس دیر و حرم کا جلوہ
کُل خدائی ہے محمدؐ کے قدم کا جلوہ

یہ نہ ہوتے تو نہ ہوتا کبھی قدرت کا ظہور
یہ نہ ہوتے تو زمانہ میں نہ ظلمت تھی نہ نور
یہ نہ ہوتے تو جبل تھے نہ بیاباں نہ بحور
یہ نہ ہوتے تو معطل تھے غرض جملہ امور
یہ نہ ہوتے تو سزاوارِ ثنا کوئی نہ تھا
گر نہ یہ ہوتے تو محبوب خدا کوئی نہ تھا

کیا ثنا اُس کی ہو جبریلؑ ہو جس کا درباں
کیا ثنا اُس کی کہ جو ساری خدائی کی ہو جاں
کیا ثنا اس کی جو ذیشان ہو ایشور کا نشاں
کیا ثنا اس کی ہو بھگوان ہو جس پہ نازاں
کیا ثنا اس کی کوئی خلق میں کرسکتا ہے
جس کا منہ دیکھ کہ آئینہ بھی منہ تکتا ہے

کیا ثنا اس کی جو گل باغِ جناں کی ہو بہار
کیا ثنا اس کی جو گلزارِ جناں کا ہو سنگھار
کیا ثنا اس کی ہو جس نور پہ دو جگ ہوں نثار
کیاثنا اس کی ہو آباد ہے جس سے سنسار
کیا ثنا اُس کی ہو قدرت کا جو آئینہ ہو
کیا ثنا اُس کی ہو رحمت کا جو گنجینہ ہو

کیا ثنا اُس کی ہو زہراؑ سی ہو جس کی دختر
کیا ثنا اُس کی کہ جس کا ہو برادر حیدرؑ
کیا ثنا اُس کی ہو حسنینؑ ہوں جس کے دلبر
کیا ثنا اُس کی جو ایشور کا ہو منظورِ نظر
کیا ثنا اُس کی جسے خلق میں سب نے چاہا
کیا ثنا اُس کی بنا کر جسے رب نے چاہا

کیا ثنا اُس کی حقیقت سے ملا جس کا مجاز
کیا ثنا اُس کی ہو بھگوان کرے جس پہ ناز
کیا ثنا اُس کی ثنا جس کی بنے رکنِ نماز
کیا ثنا اُس کی جو بندہ ہو مگر بندہ نواز
کیا ثنا اُس کی جو توحید کا بانی ہوئے
کیا ثنا اُس کی جو ایشور کی نشانی ہوئے

الغرض فخرِ رسولانِ سلف ہیں احمدؐ
آدمؑ و نوحؑ و سلیماںؑ کے شرف ہیں احمدؐ
جس میں پاکیزہ گہر ہیں وہ صدف ہیں احمدؐ
ناز ہے جن پہ سلف کو وہ خلف ہیں احمدؐ
ناخدا ہیں سب خلقِ خدائی ہیں یہی
کُل خدائی کی غرض علّتِ غائی ہیں یہی

چاہے محبوب خدا کو کوئی کس کا ہے نصیب
حُسن اور عشق کے دفتر میں یہ قصہ ہے عجیب
غیر محبوب کو چاہے تو ہے دشمن کے قریب
ان کے عاشق کو مگر بھائے ہیں خود اپنے رقیب
جب یہ حالت ہے تو ایشور کے رقیب اچھے ہیں
اس بنا پر تو کنوارؔی کے نصیب اچھے ہیں

سُنتی ہوں سارے حسینوں میں تھے یوسفؑ یکتا
پر میں کہتی ہوں کجا حضرت یوسفؑ یہ کجا
وہ تھے مطلوب زلیخا تو یہ محبوب خدا
اے زہے حُسنِ نبیؐ صلِ علیٰ صلِ علا
اشرف الخلق ہیں یہ مالکِ تقدیر ہیں یہ
حق کے محبوب جو ہیں نور کی تصویر ہیں یہ

میں تو بھگوان کے آگے بھی یہ کہہ دوں گی ضرور
واقعی باعثِ ایجاد دو عالم ہیں حضورؐ
ان کا دم بھرتے رہے صاحبِ انجیل و زبور
بھائی بھی عین الٰہی ملا چشمِ بد دور
اُن پہ رحمت ہو جو نظروں میں سمایں ان کی
کتنی کچھ بھا گئیں خالق کو ادائیں ان کی

اے زہے حُسن کے بھگوان ہے شیدا ان کا
منتظر ان کے تھے داؤدؑ و مسیحؑ و موسیٰؑ
اور نبیوں سے بھلا ان کو میں دوں نسبت کیا
کہ یہ عالی ہیں یہ اعلیٰ ہیں یہ عالم کی بنا
ان سے پہلے تھا زمانہ نہ زمانے والے
یہی اول ہوئے ایشور کے بتانے والے

یہی مصداق ہیں لولاک لما کے بے شک
ان سے گلزارِ نبوت کے گلوں میں ہے مہک
نہ بشر جانتے ہیں کنہ کو ان کی نہ مَلک
کچھ نہ سمجھی میں جو سمجھی ہوں یہ سمجھی اب تک
عقل حیراں ہے نبیؐ کو کوئی کیوں کر سمجھے
ان کو پرماتما سمجھا ہے یا حیدرؑ سمجھے

اہلِ اسلام ہوں دنیا میں کہ ہوئیں کفار
کون ہے جس پہ نہیں آپ کے احسان کا بار
آلِ اطہار کی لونڈی ہوں میں جو روپؔ کنوار
حشر کے روز مجھے بھول نہ جانا سرکار
گم نہ میں مجمعِ محشر میں کہیں ہو جاؤں
ڈھونڈھ لینا مرے سرکار جو میں کھو جاؤں

مرحبا صلِ علیٰ ہادیٔ کُل خیرِ بشر
مصدرِ رحمتِ حق منبعِ فیضِ داور
نہ ہوا کوئی نہ ہو گا کوئی ان سے بڑھ کر
میں بھی قرباں مرے ماں باپ بھی قرباں ان پر
یہی سنسار میں ہادی ہیں ہدایت کے لیے
یہی بندے تو خدائی میں ہیں رحمت کے لیے

دے کے قران سے تشبیہ یہ کہتا ہے شعور
آپ قرآن ہیں ناطق، نہیں شک اس میں ضرور
چونکہ صامت کبھی برتر نہیں ناطق کے حضور
اس میں ایک نور کی سورت ہے مجسم ہیں یہ نور
ہدیتاً یہ دیا محبوب کو زینت دے کر
بھیجا ناطق کو یہ صامت پہ فضیلت دے کر

جس کا ہر پارہ ہے سی پارۂ قرآں سے سوا
منزلت پیشِ خدا جن کی بڑی ہے با خدا
کوئی جز واس سے جدا ہے نے اُس جز و سے جدا
الغرض بحرِ نبوتؐ کے ہیں موتی چودہ
ہے نبی کوئی تو رشتوں کا سرامد کوئی
کوئی مہ پارہ علیؑ ہے تو محمدؐ کوئی

انھیں مہ پاروں کا ہے آخری پارہ وہ سخی
قائم آلِ محمدؐ جسے کہتے ہیں سبھی
نام ان کا سا نشاں ان کا سا خُو ان کی سی
نام غیبت میں کہ جن کا نہیں لیتا کوئی
اس گلِ تر میں وہی بو ہے وہی نکہت ہے
یہ بھی مثلِ آپ کی دنیا کے لیے حجت ہے

جب تک اس نور کا باقی ہے زمانہ میں قیام
تا قیامت کبھی بگڑے گا نہ عالم کا نظام
فضل ایشور کا رہے گا یوں ہی دنیا پہ مدام
یوں ہی سرسبز نظر آئے گا نخلِ اسلام
جو حقیقت کو نہ سمجھے گا ندامت ہو گی
جب یہ دنیا میں نہ ہوں گے تو قیامت ہو گی

رحمتِ خالقِ عالم انہیں کہنا ہے بجا
ان کو پرماتما نے تاجِ شفاعت بخشا
گلشنِ خلدِ بریں کی ہے سند ان کی ولا
علم و حکمت میں فضیلت ملی آدمؑ سے سوا
پیشوا اپنا سمجھتے رہے بیتے ان کو
دیئے بھگوان نے حسنینؑ سے بچے ان کو

غیر مسلم پہ بھی ہے آپ کے احسان کا بار
صاف کہتی ہوں کہ وہ جگ کہ یہی ہیں اوتار
کفر ہے ان کی نبوت سے کروں گر انکار
اپنا ایمان ہے کامل یہی اے روپؔ کنوار
جو تھے درجہ پہ امامت کے بھی قائل ہوں میں
منکرِ شرک ہوں توحید کی عامل ہوں میں

آپ پیدا ہوئے دنیا کی ہدایت کے لیے
بھیجا ایشور نے انہیں کارِ رسالتؐ کے لیے
چُن لیا اُمتِ عاصی کی شفاعت کے لیے
آیا قرآنِ مبیں ان کی صداقت کے لیے
ان کے صدقہ میں رسولوں نے رسالتؐ پائی
فیض سے ان کے اماموں نے امامت پائی

گرچہ بندے تھے خدائی کا مگر کام کیا
کام جو کچھ بھی کیا قابلِ انعام کیا
تھے جو محروم انہیں داخلِ اسلام کیا
خود بھی نامی ہوئے بھگوان کا بھی نام کیا
حدِ تکمیل پہ اسلام کو پہونچایا ہے
دیکھو قرآن میں اکملت لکم آیا ہے

انبیاؑ میں ہے شرف آپ کا سب سے عالی
آپ کے دور میں باطل کی ہوئی پامالی
آپ کی ذات ہے اللہ وہ رحمت والی
ان کو پایا تو خدا پالیا جنت پا لی
یہی بھگوان کے مخصوص ہیں عزت والے
پانچ بندے ہیں خدائی میں یہ رحمت والے

اصل ایماں جنھیں سمجھی ہوں وہ ذیشان ہیں پانچ
رہنما پانچ شریعت کے نگہبان ہیں پانچ
جن کا حافظ ہے اللہ وہ قرآن ہیں پانچ
جس کو بھگوان سے ہے اُنس وہ انسان ہیں پانچ
پنجتن کی ہے رضا جس میں وہ مستحسن ہے
پنج کے کہنے سے جو کام کرو احسن ہے

ان کی قربت سے مقرب ہوئے جبریلؑ امین
ان سے جو پھر گیا دنیا ہی ملی اس کو نہ دین
جز خدا غیر کے آگے نہ جھکی اس کی جبین
ہیں یہی ختمِ رُسل خاتمِ قدرت کے نگین
بے تکلف انھیں بھگوان سے یکجائی ہے
عرش پر ان کے وصی تک نے جگہ پائی ہے

ان کے بھائی سے بھی اوتاروں نے لی ہے امداد
نعمتیں ہیں درِ حیدرؑ کی دو عالم سے زیاد
خوانِ توحید میں بے ان کے نہ لذت نہ سواد
ایک ہیں گن لو علیؑ اور نمک کے اعداد

خالی وحدت سے شریعت میں مزا کچھ بھی نہ تھا
یہ نہ ہوتے تو حقیقت میں مزا کچھ بھی نہ تھا

آئے کس شان سے اللہ کی رحمت کی طرح
شرع کس کی ہوئی حضرت کی شریعت کی طرح
مصحفِ رخ میں ضیا نور کی سورت کی طرح
مصلحت سب وہی ایشور کی مشیّت کی طرح

کبھی بے وحی یہ غنچہ نہ زبان کھولتا تھا
گویا محبوب کے پردہ میں خدا بولتا تھا

آیتیں شان میں معراجؐ کے اتنی آئیں
انبیاؑ میں نہ کسی نے بھی یہ باتیں پائیں
ناز عاشق کو پسند آئے ادائیں آئیں
صدقہ عصمت کے ہوں دیکھی نہ کبھی پرچھائیں

مثل ان کا جو زمانہ میں نہ پا سکتے تھے
مردم اس پھول کو نرگس کی طرح تکتے تھے

معدنِ خلق و کرم مطلعِ الطاف و عطا
گوہرِ قلزمِ رحمت ہیں دُرِ بحرِ سخا
افتخارِ دو جہاں زیب دہ عرشِ عُلا
حاملِ وحیِ خدا ہادیٔ دیں راہ نما

مرتبہ آپ کا بھگوان سے پوچھے کوئی
آپ کی شان کو قرآن سے پوچھے کوئی

فخرِ آدم سبب نازشِ عیسٰیؑ و کلیم
باعثِ زینتِ کعبہ شرفِ ابراہیم
بعد ایشور کہ ہے ذات آپ کی ہر شئی سے قدیم
کر دیا آپ کو بھگوان نے سب کچھ تعلیم

دلبری دے کے صباحت دی ملاحت بخشی
آپ شیدا ہوا وہ چاند سی صورت بخشی

دم بھریں جن کا مسیحاؑ بھی وہ دم ان کا ہے
راج کونین کا پایا وہ حشم ان کا ہے
حق ملا جس کی بدولت وہ کرم ان کا ہے
عرش ہے شاہدِ رفعت وہ قدم ان کا ہے

آپ یوں روبروئے خالقِ کونین گئے
عرشِ اعظم پہ بھی پہنے ہوئے نعلین گئے

آپ ایشور کے ہیں ایشور کی مشیت ان کی
ہادیوں سے کہیں افضل ہے ہدایت ان کی
بڑھ گئی سارے رسولوں سے رسالت ان کی
ختم آخر ہوئی خود ان پہ نبوت ان کی
ان سے بہتر کوئی دنیا میں شریعت نہ رہی
آپ کے بعد نبوت کی ضرورت نہ رہی

گلشنِ خلد کے گر گل میں ہے نکہت ان کی
عین بھگوان کی طاعت ہے اطاعت ان کی
کوئی ہو سب کے لیے عام ہے رحمت ان کی
ملتی جلتی ہوئی خالق سے ہے قدرت ان کی
فرق اتنا ہے کہ یہ عبد ہیں معبود ہے وہ
دونوں عالم میں محمدؐ ہیں یہ محمود ہے وہ

یہ عقیدہ میرا بچپن سے ہے ایشور کی قسم
باعثِ خلقتِ آدم ہیں محمدؐ کے قدم
ان کے آگے تو مسیحا بھی نہیں مارتے دم
ان کا وہ گھر ہے جو گھر نہیں فردوس سے کم
منزلت آپ کی کونین میں سب کرتے ہیں
ان کا وہ در ہے ملک جس کا ادب کرتے ہیں

یا نبیؐ آپ کے اونچے ہوئے کس درجہ نصیب
بات پردہ کی ہے معراج کا قصہ ہے عجیب
جو نہ جانے وہ نہ جانے کہ ہے کیا ہجرِ حبیب
فرقتِ دوست میں ہوتا نہیں آرام نصیب
بے بلائے ہوئے محبوب کے چارہ نہ ہوا
ہجر وہ شئے ہے خدا کو بھی گوارہ نہ ہوا

خلق کے واسطے ایمان یہ لے کر آئے
ساتھ حیدرؑ سا مسلمان یہ لے کر آئے
حق سے ملوانے کا سامان یہ لے کر آئے
آئے دنیا میں تو قرآن یہ لے کر آئے
سب وہ لائے جو مناسب تھا رسالتؐ کے لیے
لائے بھائی کو بھی ساتھ اپنے وصایت کے لیے

ان پہ مر جانے کو سمجھی ہوں حیاتِ ابدی
یہی ہادی یہی رہبر ہیں دلا فہمیدی
واہ کیا کہہ گیا حضرت کی ولا میں قدسیؔ
مرحبا سیدِ مکی مدنی العربی
دل و جاں تم پہ ہوں قربان مدینے والے
اہلِ دیں بادۂ الفت کے ہیں پینے والے

اللہ اللہ کوئی کہتا ہے گناہوں سے ہو پُر
جس پہ کی مہر جہنم سے وہی ہو گیا حُر
چاہ مِعراج کی کوثر پہ پہونچنے کا ہے گُر
ان کے دشمن پہ فرشتوں کی ہے پھٹ در دُر
جس نے چاہا انہیں کونین میں عزت پائی
مل گئے یہ تو خدا مل گیا جنت پائی

اسی گُل سے ہوئی گلزارِ جناں کی تمہید
کلمہ سب نے پڑھا ان کا قریب اور بعید
ان سے ہوتی رہی باطل کی ہمیشہ تردید
قل ہو واللہ واحد کہہ کہ سکھا دی توحید
ذات حضرت ہی کی رحمت ہوئی عالم کے لیے
سببِ عفو ہوئی توبۂ آدم کے لیے

نیک خو صاف زبان پاک بیاں خوش اوقات
حرف حرف ان کے ہیں قرآنِ مبیں کی آیات
سارے بھگوان کے بندوں میں رفیع الدرجات
ان کے آگے ہو کبھی یوسفِ مصری سے نبات
ان کی باتوں میں بھی اعجازِ مسیحائی ہے
رام بھگوان ہوا ہے وہ زباں پائی ہے

یہی اخلاق کے بانی ہیں مروت سے ہیں پُر
معرفت حق کی ہے کیا ان سے سمجھ لے کوئی گُر
قلزمِ رحمت خلاق کے پاکیزہ ہیں دُر
کس قدر ان کی ثنا کرتا ہے خود پرمیشور
بخش دیں خلدِ بریں آپ کریم ایسے ہیں
ان پہ رحمان کو ہے ناز رحیم ایسے ہیں

مثل بھگوان کے مشکل ہے غرض ان کی ثنا
مصدرِ وحی خدا ہادیٔ دیں راہ نما
صاحبِ خلق و کرم فخرِ رسولانِ ہُدا
مالکِ ہر دو سرا تابعِ احکامِ خدا
طالب حق جو ازل سے تھے تو مطلوب ہوئے
انتہا ہو گئی بھگوان کے محبوب ہوئے

دستِ قدرت نے انھیں نور کا پیکر بخشا
خود جو مفرد تھا تو محبوب بھی بس فرد ہوا
بے بدل دیکھ کے تصویر نبیؐ کا نقشا
اپنے مصنوع پہ خود ہو گیا صانع شیدا
صدر ایجاد کی محفل کا بنایا ان کو
تاج بخشش کا دو عالم کی پہنایا ان کو

میں یہ سنتی ہوں قدِ پاک کا سایا بھی نہ تھا
لاکھ کی فکر ولیکن یہ معمّا نہ کھلا
متعجب ہوئی میں بے حد کہ تعجب کی تھی جا
ناگہاں بڑھ کے میری عقلِ رسا نے یہ کہا

بھید دنیا میں کسی نے نہیں پایا ان کا
مجھ سے سُن حیدرِ کرّار ہیں سایا ان کا

اور ایک وجہ مرے ذہن میں آئی اس آن
جس سے واثق ہوا کچھ اور نہ سایہ کا گماں
یعنی خورشید رسالتؐ ہیں شہنشاہؐ زماں
یعنی خورشید تو خورشید کا سایہ ہے کہاں

ماہ کو کہیے اگر مہرِ مبیں کا سایہ
تب بھی ثابت ہو کہ حیدرؑ ہیں انھیں کا سایہ

ہے یہ مشہور نہ تھا سایۂ محبوبؐ خدا
پُر میں بے خوف یہ کہتی ہوں کہ ہاں سایہ تھا
وہی سایہ تھا جو سایہ کی طرح ساتھ رہا
جس کو قرآن میں ایشور نے کہا انفسنا

کبھی کعبہ میں کبھی عرش پہ پایا اُس کو
نہ کہوں پھر بھی محمدؐ کا میں سایا اُس کو

احمدِؐ پاک کے سایہ کو احد سے پوچھو
یا اسے فاطمۂ بنتِ اسد سے پوچھو
کینہ جو سے نہ کسی اہلِ حسد سے پوچھو
میں پتا سایہ کا بتلاؤں جو کد سے پوچھو

پردہ معراج میں خود کھول رہا تھا سایہ
حق کا لہجہ تھا مگر بول رہا تھا سایہ

اور ایک وجہ سناؤں جو کبھی ہو نہ سُنی
طورِ سینا پہ وہ موسٰی کی صدائے اَرِنی
خود ہی اُن پہ وہ بنی جو بنائے نہ بنی
تجھ پہ قربان میں اے سایہ شاہِ مدنی

طور پہ حضرت موسٰی کو جو غش آیا تھا
نور جس کا نظر آیا وہ یہی سایا تھا

لوگ کہتے ہیں کہ ہے آپکا سایہ معدوم
پر میں اب کھولتی ہوں رازِ خدائے قیوم
چار سو خلق میں سایہ کہ نہونے کی ہے دھوم
لو بتاتی ہوں تمھیں میں جو ہے مجھ کو معلوم

قول قرآں کا یہ ظلِ الٰہی ہیں حضورؐ
اب تو ثابت ہوا یہ نور کا سایہ بھی ہے نور

میں یہ کہتی ہوں نہ جانے کوئی کیا کیا سمجھا
کوئی اس سایہ کو رشکِ یدِ بیضا سمجھا
کوئی اللہ کی قدرت کا نمونہ سمجھا
اصلیت اس کی مَلک سمجھا نہ بندہ سمجھا
دی جو قرآں نے گواہی اُسے میں سمجھی ہوں
حق یہ ہے ظلِ الٰہی میں انہیں سمجھی ہوں

زیر سایہ اسی سایہ کے ہے سنسار کا باغ
اس کو سایہ کہوں یا بزمِ دو عالم کا چراغ
مجھ کو معراج کے سایہ کا لگا اور سراغ
میں بھی کیا چیز ہوں پہونچا ہے کہاں میرا دماغ
راز جس سایہ کو بھگوان کا سب کہتے ہیں
قائمِ آلِ عبا ہم اُسے اب کہتے ہیں

میں یہ کہتی ہوں جب آپ کا سایہ ہی نہ تھا
کس کے پھر سایہ میں پروان چڑھی ہیں زہراؑ
ہوئی جس سایہ میں تھی فاطمہؑ کی نشوونما
اُس کو میں کیوں نہ کہوں سایۂ محبوبؐ خدا
عقل کہتی ہے کہ زہراؑ نے جسے پایا تھا
اصل میں سایہ وہ بھگوان ہی کا سایا تھا

سایہ کے ساتھ جو سایہ کی طرح ذہن گیا
جستجو کرنے میں تب سایہ کی پردہ یہ کھلا
آپ کے سایہ کو وحدت سے جو تھا حُسنِ ولا
اس لیے ہجر تھا مشکل ہوا دم بھر نہ جدا
جا سکا نورِ الٰہی سے نہ ہٹ کر سایا
رہ گیا جسمِ منوّر سے لپٹ کر سایا

اسی سایہ میں لگاتی ہوں مضامیں کے میں باغ
بزمِ وحدت کا یہی سایۂ عالی ہے چراغ
حق سے ملتا ہوا اس سایہ کا پاتی ہوں سراغ
سایہ کے ساتھ میرا عرش پہ پہونچا ہے دماغ
تھی یہ معراج میں بھی ناز و ادا کی صورت
سایہ پردہ میں رہا رازِ خدا کی صورت

اور توجیہہ سناتی ہوں سنیں اہلِ تصور
میں کہوں گی وہی زیبا ہے جو حق المقدور
شک نہیں اس میں ہے کچھ ظلِ الٰہی ہیں حضورؐ
ہو اگر سایہ میں سایا تو ہے یہ عقل سے دور
خلق سے کیوں نہ بلند آپکا پایا ٹھہرے
آپ خلقت میں جب اللہ کا سایا ٹھہرے

پشت خورشید کی اس سمت ہے سنتی ہوں یہی
جب یہ صورت ہے تو ظاہر ہے کہ تھی گستاخی
اس لیے ابر تھا حائل نہ ہو بے ادبی
مرحبا سیّد مکّی مدنی العربی

فرقِ انور پہ جو رحمت کا تھا بادل چھایا
یہ سبب تھا جو کسی نے بھی نہ پایا سایا

اک سبب اور یہ سایہ کہ نہونے کا کھلا
یعنی جب حق نے انہیں خلق کی جانب بھیجا
درد تھا دل میں جو اُمت کے گناہگاروں کا
خود یہاں آگئے سایہ کو وہاں چھوڑ دیا

امتی حشر میں جب گرمی سے گھبرائیں گے
دیکھ لینا اِسی سایہ میں اماں پائیں گے

یہی سایا دلِ مومن کا یقیناً ہے سرور
اس کو سایہ کہوں یا آنکھ کے پردہ کا ہے نور
ماشااللہ کہوں کیوں نہ میں چشمِ بد دور
غور کرتی ہوں تو کہتا ہے یہی صاف شعور

آمنہ بی بی کی قسمت کا ستارہ کہیے
اس کو نورِ نظرِ مریم و سارہ کہیے

ہوا اس نور سے جب انت مرادی کا خطاب
پئے تسلیم جھکا سجدۂ خالق میں شتاب
بڑھ گئی پیشِ خدا عزّت و توقیرِ جناب
سایہ حضرت کا اُسی نور کا ہے لُبِ لباب

زینتِ کتف ہوا مُہرِ نبوتؐ بن کر
آیا قرآن میں یہ نور کی صورت بن کر

پایا سایہ کو زمینوں میں نہ بالائے فلک
ڈھونڈتا پھرتا ہے خورشید اسے آج تلک
چشمِ مردم سے ہمیشہ رہی اس کو چشمک
ہوتا سایہ تو تعجب کا محل تھا بے شک

نور جس ماہ کا تا عرشِ بریں چھایا ہو
اُس کا کیا سایہ جو بھگوان کا خود سایا ہو

اور سایہ کے نہ ہونے کا کھلا اک یہ سبب
ظاہری طور پہ کچھ تھے جو مسلمان عرب
گر قدم سایہ پہ رکھتے تو یہ تھا ترکِ ادب
اس لیے ہو گیا حسنینؓ کی وہ شکل میں اب

کیوں نہ پیارے ہو محمدؐ کو یہ جانی دونوں
سایۂ احمدؐ ہوں جب احمدِ ثانی دونوں

آہ کیوں گر نہ پڑا اے فلکِ کج رفتار
وہی مہرو کہ جو ہو سایۂ شاہِؑ ابرار
کیا غضب ہے کہ اٹھے شمر کی اُس پر تلوار
ستم و جور سے لٹ جائے اُسی کی سرکار
پائے دنیا میں نہ دم بھر بھی وہ راحت ہے ہے
اُس کے ناموس ہوں پابندِ مصیبت ہے ہے

جس کے کارن نہیں دکھ درد جنابِ زہراؑ
کربلا میں وہی مظلوم ہو پابندِ بلا
جس کو سمجھا کیے سب سایۂ محبوبؐ خدا
اُس پہ امت کرے کیا کیا ستم و جور و جفا
جس کو محبوب زمانہ میں پیمبرؐ رکھے
اُس کے سینے پہ قدم شمرِ بد اختر رکھے

ہو اِدھر خیمۂ سرور میں تو برپا کہرام
جلسۂ رقص میں مصروف ہوں واں بد انجام
قتل پر سبطِ نبیؐ کے ہو چراغاں تا شام
پوچھتی ہوں کوئی بتلائے یہی تھا اسلام
کلمہ پڑھ کے نواسے پہ ستم ہوتے تھے
اہلِ کیں ہنستے تھے جب اہلِ حرم روتے تھے

کربلا یاد ہے کچھ تجھ کو قیامت کا وہ دن
وہ بلا خیز سماں حشر کا آفت کا وہ دن
آلِ اطہارؑ کی بندی کا حراست کا وہ دن
میرے مہراج کی رخصت کا شہادت کا وہ دن
بنتِ زہراؑ کا وہ کہنا کہ بچاؤ بھائی
شعلے خیموں میں بھڑکنے لگے آؤ بھائی

آکے گودی میں سکینہؑ کو اٹھاؤ بھائی
لاڈلی بیٹی کو سینہ سے لگاؤ بھائی
شکل اک بار اُسے آکے دکھاؤ بھائی
مجھ سے روٹھی ہے اُسے آکے مناؤ بھائی
خاک پر لوٹتی ہے ہائے چچا کہہ کہہ کر
جانبِ نہر کبھی دوڑتی ہے رہ رہ کر

میرے بیرن میرے پیارے تری صورت کے نثار
جان دی حق پہ برادر تری ہمت کے نثار
سجدۂ حق میں کٹا سر تری طاعت کے نثار
لاش ریتی پہ پڑی ہے تری غربت کے نثار
ساتھ لے چل مجھے یوں منہ کو نہ موڑ آ بیرن
ایسی آفت میں نہ تنہا مجھے چھوڑ آ بیرن

یہ بتاؤ مجھے بھیا تمہیں پاؤں کیوں کر
اس مصیبت سے میں کنبہ کو چھوڑاؤں کیوں کر
سر کو اک شب کی دلہن کے میں چھپاؤں کیوں کر
غش میں ہیں عابدِ بیمارؑ اٹھاؤں کیوں کر

ان مصائب میں مرا ہاتھ بٹاؤ بھائی
میری فریاد کے سُن لینے کو آؤ بھائی

خلد سے ساتھ شہنشاہؑ زمن کو لاؤ
ہے نجف پاس شہِ قلعہ شکن کو لاؤ
اپنے ہمراہ بڑے بھائی حسنؑ کو لاؤ
مری ماں کشتۂ آلام و محن کو لاؤ

غیر حالت مری ان سب کو دکھاؤ بھائی
میں تو بے بس ہوں مدد کو مری آؤ بھائی

جل کے گرنے لگا وہ خیمۂ اکبرؑ بیرن
پھک گئی نانا کی مسند ہوا محشر بیرن
آگ نے گھیر لیا ہے ترا سب گھر بیرن
کہیں جل جائے نہ اب عابدؑ مضطر بیرن

کیا کروں کیا نہ کروں مضطر و بے ہوش ہوں میں
اپنے بیمار سے ہوشیار سبکدوش ہوں میں

کہہ کے یہ حضرتِ زینبؑ کو غش آیا اک بار
آئی پامالی کو لاشوں کو سپاہِ اشرار
کانپا اس صدمہ سے سلطانِ رسالتؐ کا مزار
حال پامالی کا کس طرح کہے روپ کنوار

قلب قابو میں نہ لکھنے کا مجھے یارا ہے
دل میرا سینہ میں اس صدمہ سے صد پارا ہے

مرثیہ دوم

مرثیہ

بادۂ عرفان

مقطع

"عروسِ نظم کی زینت ثنائے حیدرؑ ہے"

بند (167)

عروسِ نظم کی زینت ثنائے حیدرؑ ہے

عروسِ نظم کی زینت ثنائے حیدرؑ ہے
بیاں کا حُسنِ لطافت ثنائے حیدرؑ ہے
گُلِ ریاضِ فصاحت ثنائے حیدرؑ ہے
خدا کی عین عبادت ثنائے حیدرؑ ہے
جو حق شناس ہیں ان کو ثنا یہ بھاتی ہے
یہی ثنا تو بہشتِ بریں دکھاتی ہے

اسی ثنا کا نتیجہ ہے ساغر و کوثر
اسی ثنا کی بدولت ملیں گے خُلد میں گھر
اسی ثنا پہ تو نازاں ہے خود ثنا گستر
یہی علیؑ کی یہی ہے ثنائے پیغمبرؐ
یہی وہ ہے کہ ہے خوشنودئے خدا جس میں
یہ وہ ثنا ہے کہ شاداں ہیں مصطفیٰؐ جس میں

شبِ الم میں یہی ہے انیسِ تنہائی
یہی ثنا مرے پرماتما کو ہے بھائی
یہی جنابِ محمدؐ کو ہے پسند آئی
سند اسی سے ثنا خواں کی ہم نے ہے پائی
اسی ثنا سے طبیعت قرار لیتی ہے
یہ وہ ثنا ہے کہ جو آخرت کی کھیتی ہے

اسی ثنا سے مکدر تھے کفر کے بانی
جبھی تو کرتے رہے کارہائے شیطانی
اسی ثنا کی ہے قرآن میں فراوانی
خدا کا فضل کہوں اس کو یا ثنا خوانی
ثنا یہ جس کی ہے اس سے گر ارتباط نہیں
پھر ہم تو کیا ہیں سلیماں کی کچھ بساط نہیں

یہی ثنا ہے جو تسکینِ روح ہوتی ہے
یہی ثنا تو کثافت گنہہ کی دھوتی ہے
یہی ثنا غم و رنج و علم کو کھوتی ہے
یہی ہے دل میں جو ایماں کا بیج بوتی ہے
اسی ثنا سے بتوں کا قرار جاتا ہے
اسی کے صدقے میں بھگوان یاد آتا ہے

خطاب اسی سے ملا آدمی کو انساں کا
یہی تھا ذوق فرزدقؔ کا شغل سحباںؔ کا
یہی تو گل ہے مری نظم کے گلستاں کا
یہی ثنا ہے نمونہ ہمارے ایماں کا
حجاب میں تھے محمدؐ نے جانے کیا دیکھا
اسی کے پردہ میں ہم نے مگر خدا دیکھا

اسی ثنا سے گریزاں رہا سدا ابلیس
قیامِ خلد بریں کی یہی ثنا تو ہے فیس
ہر ایک طرح سے ممتاز ہے ثنائے نفیس
کہ کھینچتی ہے یہ رحمت برنگ مقناطیس
یہی ہے حمدِ خدا مدحِ مصطفےٰؐ ہے یہی
ہمارے احمدِؐ بے میم کی ثنا ہے یہی
اسی پہ حضرتِ آدمؑ کو رشک آیا تھا
اسی کو لوح پہ لکھا ہوا تو پایا تھا
جبھی کچھ آپ نے اپنا بھی حق جتایا تھا
خدا کے کھیت کا گندم کہاں سے کھایا تھا
خطا جو سمجھے خطا ہے یہ ترکِ اولیٰ تھا
کہ اس ثنا کا سزاوار میرا مولیٰؑ تھا
یہ کس کا ذکر ہے کس کی ثنا ہے کس کا بیاں
کہ خم ہے خود پے تسلیم خامۂ دو زباں
اسی کو پڑھتے ہیں جنت میں طائرانِ جناں
عجب ثنا ہے غرض اس ثنا کے میں قرباں
خودی ہے جن میں اسے سن کے ہوش آتا ہے
اسی ثنا سے تو کوثر میں جوش آتا ہے

اسی ثنا سے کھلا ہے میرے کلام کا باغ
یہی ثنا ہے فرشتوں کی انجمن کا چراغ
اسی ثنا سے مرا آج عرش پر ہے دماغ
اسی ثنا کا خدا تک لگا چکی ہوں سراغ
بنا ہوئی شب معراج اس ثنا کے لیے
جو مصطفےٰؐ کے لیے تھا وہ مرتضےٰؑ کے لیے
یہی طریق سکھاتی ہے حمدِ باری کا
یہی تو ہے کہ جو موجب ہے رستگاری کا
بچاؤ ہے یہی محشر کے دن کی خواری کا
یہی ثنا تو ہے پروانہ راہ داری کا
مخالف اس کے قدم خلد میں نہ لائیں گے
اسی سند سے ثنا خواں جناں میں جائیں گے
نسیمِ رحمتِ حق ہے یہی جہاں کے لیے
یہ امتحاں ہے اسی دارِ امتحان کے لیے
اسی ثنا سے سند ملتی ہے جناں کے لیے
یہی بیان تو ہے لازمی یہاں کے لیے
اسی میں چاہیے محنت جو رستگاری ہو
یہ وہ نہیں ہے جو مضمونِ اختیاری ہو

اگرچہ حمد سزاوار ہے اُسی کے لیے
مگر ثنا یہ ہوئی فرض ہر نبیؐ کے لیے
علیؑ ثنا کے لیے تھے ثنا علیؑ کے لیے
یہی کسوٹی کا پتھر ہے آدمی کے لیے

ثنا نہیں ہے یہ ایماں کی اپنی اصل ہے یہ
خدا سے اس کی عبادت کی طرح وصل ہے یہ

ہراس کچھ نہیں جی پر اسی ثنا کے سبب
ہے مطمئن دلِ مضطر اسی ثنا کے سبب
خدا سے مل گئے اکثر اسی ثنا کے سبب
بتوں پہ پڑ گئے پتھر اسی ثنا کے سبب

یہی ثنا تو خدا سے ملائے رکھتی ہے
یہ وہ ثنا ہے جو کھوٹا کھرا پرکھتی ہے

یہ وہ ثنا ہے کہ کنجی ہے آسمانوں کی
یہ وہ ثنا ہے جو زینت ہے خوش بیانوں کی
یہی ثنا تو ہے پاکیزگی زبانوں کی
اُمنگ اسی سے ہے پیروں میں نوجوانوں کی

غلط میں کہتی ہوں کچھ اب بھی اس میں حجت ہے
حبیب ابن مظاہر کی جب شہادت ہے

بڑی ثنا ہے غرض میرے دیوتا کی ثنا
جناب حیدرؑ صفدرؑ کی مرتضےٰ کی ثنا
علیؑ کی مدح سرائی سے مصطفےٰؐ کی ثنا
ثنائے احمدؐ مختار ہے خدا کی ثنا

انہیں کی مدح سرائی سے دل کو راحت ہے
انہیں کا ذکر تو اللہ کی عبادت ہے

نثار تجھ پہ ہوں میں اے مرے ثنا والے
میں صدقے اے میرے ممدوح مصطفےٰؐ والے
ترے جو ہیں وہی بندے تو ہیں خدا والے
مدینہ والے ہوں اس میں کہ کربلا والے

خدا کا شیر توہی ہے مباہلی ہے توہی
تمام خلق سے اولیٰ توہی علیؑ ہے توہی

علیؑ خلاصۂ آلِ عباؑ علیؑ اعلا
علیؑ چراغِ ہدایت علیؑ امامِ ہدا
علیؑ ولیِ خدا پیشوا علیؑ اولا
مثالِ ختمِ رسلؐ خلق کے علیؑ مولا

مریضِ دردِ معاصی کے ہیں طبیب علیؑ
نبیؐ کی طرح ہیں اللہ کے حبیب علیؑ

گلِ ریاضِ امامت علیؑ جنابِ علیؑ
ہے چیدہ پھول گلوں میں یہی گلاب علیؑ
عطا میں فردِ شجاعت میں لاجواب علیؑ
جو منتخب ہیں بشر ان میں انتخاب علیؑ

رسولؐ پاک جو خورشید ہیں قمر ہیں علیؑ
نبیؐ کے قوتِ بازو علیؑ سپر ہیں علیؑ

جنابِ فاطمہؑ بنتِ اسد کے لال علیؑ
جہاں میں بعد محمدؐ کے بیمثال علیؑ
ہر ایک علم میں کامل علیؑ کمال علیؑ
نبیؐ کے خاص تو منظورِ ذوالجلال علیؑ

یقین جانیئے بھاری اس کا پلّہ ہے
کہ جس کو حیدرؑ کرار سے تولّا ہے

علیؑ حبیب خدا ایلیا علیؑ عابد
علیؑ شہید علیؑ شاہدیں علیؑ شاہد
علیؑ تقی و علیؑ متقی علیؑ قاعد
علیؑ وحید علیؑ حامد و علیؑ واحد

جو کہہ گئے ہوں یہ کیا ہے نجانے کیا کہتے
خدا کا ڈر ہے علیؑ کو نہیں خدا کہتے

علی درندۂ اژدر کشندۂ کفار
علی حضور علی شاہدیں علی سردار
علی علی اسد اللہ حیدرِ کرار
یہی نہالِ امامت ہے اس چمن کی بہار
یہی ہیں خلقتِ آدم سے جو مقدم ہیں
یہ وہ بشر ہیں کہ جو فخرِ نوحؑ و آدمؑ ہیں

علی ہیں راکبِ دوشِ نبیؐ علی سرور
علی امیر علی امرِ حق علی رہبر
علی رضی اسد اللہ ساقیِ کوثر
علی امامِ روئی مرتضےٰ علی حیدر
کوئی علی سا مہا بیر کب ہے بھارت میں
خدا ملا ہے اسی دیوتا کی سنگت میں

ملائکہ ہوں کہ حوریں ہوں یا کہ غلماں ہوں
بشر ہوں دیو ہوں پریاں ہوں یا نبیؐ جاں ہوں
کوئی بھی جنس ہو انساں ہوں یا کہ حیواں ہوں
سب اس میں آگئے ہندو ہیں یا مسلماں ہوں
علی کے چرنوں کا ہر ایک کو سہارا ہے
علی جگت میں وہ پرماتما کا پیارا ہے

ملا ہے پوت کب ایسا جگت میں ماؤں کو
غلامی فخر رہی جن کی سورماؤں کو
خوشی سے جھیلا زمانے کی سب بلاؤں کو
پسند حق نے کیا آپ کی اداؤں کو
حضورِ راکبِ دوشِ نبیؐ جبھی تو ہوئے
کئے کلام جو اعلیٰ علی جبھی تو ہوئے

سپوت پوت یہی ہیں ترے عرب ماتا
میں کیا کہوں انھیں داتا کہوں کہ ان داتا
کیا ہے کام انھوں نے سدا خدا بھاتا
علی کے باب میں بس کچھ نہیں کہا جاتا
میں نا خدا کہوں حیراں ہوں یا خدا ان کو
کہ کہنے والوں نے اللہ کہہ دیا ان کو

امام کہہ کے انہیں بن گئے نبیؐ داتا
یہ ذات وہ ہے کہ اللہ نے جنہیں جانا
خدا کے بعد محمدؐ نے ان کو پہچانا
ادا یہ تھی رہے پرماتما سے بیگانا
علی کسی نے نجانے کسی نے کیا سمجھا
مرے رشی کو نبیؐ سمجھے یا خدا سمجھا

کہاں زمانے نے ایسے پسر کیے پیدا
نہ ہوتے یہ تو نہ ہوتے ابو البشر پیدا
یہ مبتدا ہیں انھیں سے ہوئی خبر پیدا
یہ کیا ہوئے کہ ہوئے سارے خشک و تر پیدا

خلافِ حکمِ خدا و نبیؐ کبھی نہ ہوئے
خدائی کی پہ خدائی کے مدعی نہ ہوئے

نہ ہوتے یہ تو خدائی کا پھر وجود نہ تھا
نہ ہوتے یہ تو نمازیں نہ تھیں درود نہ تھا
جہاں میں رحمتِ اللہ کا وجود نہ تھا
جو یہ نہ ہوتے تو شاہد نہ تھا شہود نہ تھا

شرف سے اِن کی شرف انبیاؑ نے پایا ہے
زمیں سے تا بہ فلک ان کا نور چھایا ہے

جہاں میں شور ہے دریائے فیض کا ان کے
ستارے شب کے فلک پر زمیں پہ یہ دن کے
شریک درد یہی ہیں ہر ایک مومن کے
پیوں میں ساغرِ حُبِ علیؑ نہ گِن گِن کے

مئے اوڑنے والی ہے میکش اوڑانے والے ہیں
کچھ ایک دو نہیں چودہ پلانے والے ہیں

کہاں ہے اے مرے ساقی مرے نجف والے
کہ منتظر ہیں درِ میکدہ پہ متوالے
یہ بادہ کش نہیں آفت کے ہیں یہ پُرکالے
کھڑے ہیں خاکِ شفا کے لئے ہوئے پیالے

کسی کا خوف ہے پیتے ہیں سب میں کیوں نہ پیوں
خدا کے ہاتھ سے ملتی ہو جب میں کیوں نہ پیوں

یہ بادہ وہ ہے کہ پہلے جسے خدا نے پیا
یہ وہ شراب ہے جس کو سب انبیاؑ نے پیا
یہ مئے وہی تو ہے خود جس کو مصطفےٰؐ نے پیا
اسی شراب کو احمدؐ کے دل رُبا نے پیا

اسی کے پینے کی مجھ کو بھی اضطرابی ہے
تری کنیز بھی ساقی ابو ترابی ہے

فرشتگانِ الٰہی نے کی یہ مئے نوشی
اسی شراب کا تو کام ہے خطا پوشی
یہی ہے ہوش میں لاتی ہے جس کی مدہوشی
پیے اسے تو نہیں ہوتی حق فراموشی

یہ مئے سُرور دکھاتی ہے حق پرستی میں
حسینؑ قتل ہوئے ہیں اسی کی مستی میں

یہ وہ شراب ہے زاہد کی ہے نظر جس پر
یہ وہ شراب ہے ساقی ہیں جس کے خود حیدرؑ
اسی شراب کے عادی تھے بوذر و قنبر
اسی شراب کا چشمہ ہے چشمۂ کوثر

سُرور اس کا تو طاعت میں حق کی شامل ہے
پئے بغیر اسی کے نماز باطل ہے

مرے گنہ کا مریضوں میں جب حساب لکھا
طبیب نے خطِ تقدیر لاجواب لکھا
نہ گل لکھا نہ کبھی شربتِ گلاب لکھا
لکھا تو پہلے ہی بس نسخۂ شراب لکھا

بس اب مجھے کسی دارو کی احتیاج نہیں
یہ جب سے پی ہے طبیعت میں اختلاج نہیں

اڑا رہی ہوں مزے سے ادھر میں جام شراب
ادھر عدو جو علیؑ کے ہیں ان کے دل ہیں کباب
کہیں ہے کاتبِ اعمال کا یہ حال خراب
کہ خود جلا دی جہنم میں میری فردِ حساب

بہار کا ہے سماں حیدری گلستاں ہے
میں پینے والی ہوں ساقی ہے جوشِ باراں ہے

اسی کو پھرتے ہیں عالم میں شیخ و شاب پیئے
کبھی فلک پہ نہ ٹھہرے جو آفتاب پیئے
کہاں کسی کا مقدر جو یہ شراب پیئے
اگر پیئے تو مئے حُبِ بوتراب پیئے

نصیب اچھے تھے اس کی ہمیں جو دید ہوئی
یہ مئے تو وہ ہے کہ جو عرش پر کشید ہوئی

اسے نہ پینے میں شیطاں نے شیطنت برتی
وہ عمر بھر کی عبادت بتاؤ کیا کرتی
شقی جبھی تو لعینوں میں ہو گیا بھرتی
نہ آسماں پہ جگہ ہے نہ رہنے دے دھرتی

زمیں پہ ہے نہ فلک پر اب آتا جاتا ہے
دلِ عدوئے علیؑ اس کا اب ٹھکانا ہے

شرف یہ پایا کہ باطل کے تاجدار ہوئے
کبھی نہ آج تلک حق سے ہمکنار ہوئے
جو دیکھا حیدری مجمع تو بے قرار ہوئے
عدو علیؑ کا جو پایا تو جا سوار ہوئے

سمجھ میں کچھ نہیں آتا کہ اس کو کیا سمجھا
نجانے آپ نے خچر ہے یا گدھا سمجھا

سوا علیؑ کے میں کس کو نگاہ میں لاؤں
غنی کو چھوڑ کے اوروں سے کیوں مدد چاہوں
غضب ہے جبکہ میں حجت خدا کی کہلاؤں
کسی کے سامنے پھر جا کے ہاتھ پھیلاؤں
مجھے غرض جو احساں کسی کا سر پہ دھروں
جو چاہتی ہوں انھیں سے طلب میں کیوں نہ کروں

انھیں کی وجہ سے ذہنِ رسا ملا مجھ کو
دیا ہے اپنے ثنا خواں کا مرتبہ مجھ کو
انھیں نے خلد کا رستہ بتا دیا مجھ کو
یہ کم وقار ہے ملتا بھی اور کیا مجھ کو
مرا سخن نہیں آلِ عبا کا صدقہ ہے
علیؑ کا صدقہ ہے یا مصطفٰیؐ کا صدقہ ہے

مری طرف سے تذبذب میں آج ہے سنسار
کہ یہ زباں یہ سخن یہ کلام روپؔ کمار
بتائے دیتی ہوں کہتی ہوں میں پکار پکار
یہ سُن لیں سب مرے داتا کی ہے بڑی سرکار
جسے وہ چاہیں اُسے دم میں کیا سے کیا کر دیں
وہ جس کو چاہیں سخن کا اُسے خدا کر دیں

یہ رنگ اپنی طبیعت کی ہے روانی کا
رواں دواں کوئی چشمہ ہو جیسے پانی کا
مزا اٹھائیں سُخن داں زبان دانی کا
یہ سب نتیجہ ہے حیدرؑ کی مدح خوانی کا
انھیں کے حکم سے منسوب اپنی حالت ہے
خدا کا فضل ہے سرکار کی عنایت ہے

زبان کھلی ہے مری آج ہم زبانوں میں
سخن کی قدر اگر ہے تو قدر دانوں میں
مرے بیان کو سن سن کے خوش بیانوں میں
درود بلبلیں پڑھتی ہیں بوستانوں میں
علیؑ کی مہر کے سب گل ہیں یہ کھلائے ہوئے
کہ چن رہے ہیں عنادل چمن میں آئے ہوئے

خیالِ خام ہے بعضوں کا میری جانب آہ
کہ ہائے کیسی یہ پڑھ لکھ کہ ہو گئی گمراہ
جو اہل ذکر ہیں ذکر انکا جانتے ہیں گناہ
اس انحراف کی حد ہے کوئی معاذ اللہ
بزعم خود یہ اگر جرم مجھ پہ لازم ہے
تو پھر یہ کہئے کہ پرماتما بھی مجرم ہے

کہاں پہ کی نہیں بھگوان نے ثنا ان کی
صفت کتاب خدا میں ہے جا بجا ان کی
عیاں ہے شان میں آیا ہے ہل اتے ان کی
مئے ولا سے ہیں مخمور انبیاؑ ان کی
دھرم کی راہ میں مرنا علیؑ کا کھیل رہا
بتوں کے پاس نہ پھٹکے خدا سے میل رہا

کہا علیؑ کی ثنا اور کہاں زباں میری
دیا انھیں کی قسمت یہ تھی کہاں میری
مدد کریں گے یہی وقتِ امتحاں میری
ہوئی ہے قوم تلک مجھ سے بدگماں میری
یہ سختیاں ہیں کہ بس کچھ کہا نہیں جاتا
مرے وقار پہ حملے کئے ہیں ان داتا

مثال اشک گرایا ہے سب نے نظروں سے
اشارہ کر کے ستایا ہے سب نے نظروں سے
گرا جو یوں مجھے پایا ہے سب نے نظروں سے
بڑا ہی جی کو جلایا ہے سب نے نظروں سے
زمانہ برسرِ جنگ است یا علیؑ مددے
کمک بغیر تو ننگ است یا علیؑ مددے

کسی کا قول ہے جادو کا ہے اثر اس پر
کوئی یہ کہتا ہے کیسا اٹھایا اس نے سر
ذرا بھی ڈر نہیں بھگوان اس کے دیدہ پر
کہ دیوتاؤں کو کہتی ہے یہ تو ہیں پتھر
نظر میں اس کی ہے یہ حال پاک دھرموں کا
یہ پھل ملا اسے اگلے جنم کے کرموں کا

کوئی یہ کہتا ہے اس نے ڈبویا قوم کا نام
کوئی یہ کہتا ہے کیا ہو گیا اُسے اے رام
کوئی یہ کہتا ہے کیا جانے اس کا ہو انجام
کوئی یہ کہتا ہے اس کو پسند ہے اسلام
میں جاہلوں سے پریشان ہوں نہ کُلستی ہوں
وہ میرے حال پہ روتے ہیں اور میں ہنستی ہوں

کسی کا قول ہے ہے ننگِ خانداں کیسی
کوئی یہ کہتا ہے لڑکی ہے بد زباں کیسی
غرض ملائے ہوئے ہیں یہ ہاں میں ہاں کیسی
میں کہتی ہوں کہ یہ آخر چنیں چناں کیسی
اگر یہی ہے تو حیدرؑ ہمیں مبارک ہوں
تمہارے ساختہ پتھر تمہیں مبارک ہوں

خطا یہ ہے کہ محض بے خطا ہے روپؔ کمار
علیؑ کے عشق میں پُر مبتلا ہے روپؔ کمار
زمانہ گرچہ مخالف ہوا ہے روپؔ کمار
میں ان کی ہوں مجھے پرواہ کیا ہے روپؔ کمار

کسی سے کیوں کہوں کشتی کو میری پار کرے
علیؑ سا جس کا ہو کھیوا وہ کیا بچار کرے

نہیں ذرا بھی مجھے اپنی مشکلوں سے ہراس
نہ خوف کچھ ہے طبیعت میں ہے نہ کچھ وسواس
وہ دل ہی پاس نہیں ہے جسے ستائے یاس
ستارہ اپنا بُھلا ہے تو کیوں نہ آئے راس

زمیں کے بارہ ستاروں کو خوب جانتی ہوں
نجوم کی نہیں قائل انھیں کو مانتی ہوں

انھیں ستاروں میں روشن ہے ایک ایسا قمر
کہ جس کا نام ہوا مرتضیٰ علیؑ حیدرؑ
اسی کے نور سے پھیلی ہے ضو زمینوں پر
اسی کے نور سے ملحق ہے نورِ پیغمبر

مرے بیاں کی حدیثِ رسولؐ شاہد ہے
علیؑ کا اور محمدؐ کا نور واحد ہے

جمال ایک سا دونوں کا شوکت و شاں ایک
یہ دونوں فرد خدائی ہیں مثلِ قرآں ایک
اگرچہ جسم نظر میں ہیں دو مگر جاں ایک
خدا بھی ایک شریعت بھی ایک ایماں ایک

غلط نہیں کہ زمانہ کی ہست و بود ہیں یہ
نبیؐ کی طرح سے بس قابل درود ہیں یہ

یہی ہیں فرد خدائی میں اور یہی مُفرد
یہی تو وہ ہیں کہ سَر کی جنھوں نے جنگِ اُحد
نہ کرسکوں کبھی تعریف گر کروں بیحد
علیؑ یہی ہیں محمدؐ یہی یہی احمدؐ

انھیں کو نفسِ نبیؐ حق نے خود بتایا ہے
انھیں کا لحمک لحمی خطاب آیا ہے

وہی رسولؐ کی سی خُو ملی وہی عادت
وہی جلال وہی دبدبہ وہی شوکت
وہی ہے شان بھی صورت وہی وہی سیرت
وہی ہے پیشِ خدا منزلت وہی وقعت

وہی کیے جو کیے کام سب پیمبرؐ نے
دکھی غرض کہ نہ رکھا کسی کو حیدرؑ نے

جو ناخدا ہیں محمدؐ تو مرتضیٰ ہادی
انھیں کے ہاتھوں ہوئی ہے بتوں کی بربادی
ملایا حق سے انھیں کفر کے تھے جو عادی
یہ وہ بشر ہیں کہ توحید سب کو منوا دی
یہی تو ہیں کہ یداللہ کا لقب پایا
انہیں کو دستِ الٰہی نبیؐ نے فرمایا

پڑے ہوئے ہیں فرشتے مئے ولا ان کی
محمدؐ ان کے محمدؐ کی دل رُبا ان کی
کمال ہو گیا اللہ کی رضا ان کی
خدائی اور ہے ان سب کے ماسوا ان کی
اب ان سے زیادہ خدا و نبیؐ سے کیا لیتے
رہا ہی کیا تھا جو کچھ اور مرتضیٰ لیتے

وہ دل ہے پاک کہ جس میں ہے مامتا ان کی
پسند کرتا ہے بھگوان بھی کتھا ان کی
یہ ہر جگہ کے لیے اور ہر جگہ ان کی
مدینہ ان کا نجف ان کا کربلا ان کی
انھیں کے نور کا جلوہ امام غائب ہیں
یہی تو نام خدا مظہر العجائب ہیں

لگی رہی ہے خدا و نبیؐ سے دھن ان کی
نہ جا کہیں دلِ مضطر کتھائیں سُن ان کی
خدائی ان کی خدائی کی بیخ و بُن ان کی
زمانہ بھر میں ہے مشہور دان و پُن ان کی
کیے جو کام علیؑ نے کیے وہ چوٹی کے
قطار اونٹوں کو بخشی عوض میں روٹی کے

علیؑ نے کوٹ دیا کفر کی بڑی سل کو
علیؑ نے مارا ابوجہل جیسے جاہل کو
ولی نے کر دیا آساں ہر ایک مشکل کو
جب ان کا نام لیا شانتی ہوئی دل کو
لگے ہوئے ہیں جو غیروں کی کام دھندوں میں
علیؑ کا نور کہاں ان جنم کے اندھوں میں

پسر سے چلتا ہے ماتا پتا کا نام سدا
عجب نہیں یہ کہ ایشور کا نام ان سے چلا
علیؑ نہ ہوتے اگر تو خدا خدا ہی نہ تھا
سمجھ میں کچھ نہیں آتا کہ جانے کیا ہوتا
انھیں کے دم سے جہاں میں خدا کا نام چلا
بغیر ان کے نہ پرماتما کا نام چلا

خدا کی آنکھ یہی ہیں خدا کا کان یہی
کلام اس کا یہی منھ یہی زبان یہی
جگت میں دستِ الٰہی بھی بے گمان یہی
جو اس کی شان کو دیکھو تو اس کی شان یہی

بنے بنائے ہیں وہ جس کو کہہ نہیں سکتے
بنا خدا بھی کہے ان کو رہ نہیں سکتے

یہ سرگروہ ملائک ہیں سر بلند ہیں یہ
سعید باپ کے فرزند ارجمند ہیں یہ
نبیؐ کی طرح سے اللہ کو پسند ہیں یہ
کہ بے نیاز ہے وہ اور نیاز مند ہیں یہ

شریک کار خدا جب علیؑ سا غازی ہے
میں اس کے صدقے عجب شانِ بے نیازی ہے

کچھ ایسی پی کہ بہکنے لگی ہے روپ کمار
کہاں علیؑ ولی اور کہاں بڑی سرکار
مجال کیا جو کروں اس کی شان کا اظہار
علیؑ ہوں یا کہ نبیؐ اس کے ہیں وظیفہ خوار

بغیر کفو ہے وہ واجب الوجود ہے وہ
یہ ساجدین ہیں سب قابلِ سجود ہے وہ

رگِ گلو میں ہے پنہاں وہی وہی ظاہر
وہی ہے فخر تفاخر وہی وہی فاخر
زمانہ بھر سے ہے اول وہی وہی آخر
خدائے ارض و سماوات حاضر و ناظر

عمل اُسی کا ہے دنیا کے کارخانے میں
طلسم اُسی کا تو ہے اس طلسم خانے میں

اُسی کی ذات ہر اک ذات پات سے ہے بَری
فلک کی زیب ستاروں کی انجمن سے بھری
تری یہ بخشی اسی نے کہ ڈالیاں ہیں ہری
میانِ غنچہ و گل ہے اسی کی جلوہ گری

دولہن بنی ہے نسیمِ بہار پھولوں میں
اُسی کی بو تو ہے ان زر نگار پھولوں میں

گناہ گاروں کا آمرز گار کوئی نہیں
تو ہی ہے تجھ سا مرا کردگار کوئی نہیں
ہجومِ غم میں بجز تیرے یار کوئی نہیں
انیسِ خلوتِ شب زندہ دار کوئی نہیں

کوئی نہیں ترا ہمتا مگر تو ہی تو ہے
جدھر نگاہ اٹھائے بشر تو ہی تو ہے

تو ہی رحیم تو ہی راحم و تو ہی رحمان
بیاں کرے تری توحید کس کا ہے امکان
تو ہی علیم ہے دانا تو ہی ہے میں انجان
تو جانتا ہے مری آرزو مرا ارمان
نہ اُونگھ گھیرتی ہے تجھ کو اور نہ سوتا ہے
بشر کی طرح تو ہنستا ہے اور نہ روتا ہے

یہ سب ترا ہی عطیہ ہے میں ترے قرباں
علی کا ذکر گجا میں گجا کروں تری شاں
زمیں پہ ہوں کہ فلک پر ہیں سب ترے مہماں
تو سب کا داتا ہے اس میں گدا ہوں یا سلطاں
بغیر منّتِ غیرے ہر ایک لیتا ہے
میں صدقے جاؤں تو ہی سب کو رزق دیتا ہے

تو ہی خدا ہے تو ہی گاڈ ہے تو ہی بھگواں
حرم بھی تری نشانی ہے دھر بھی تری شاں
تو سب جگہ پہ ہے ہندوستاں ہو یا ایراں
زمیں کے ذرے تلک دے رہے ہیں تیرا نشاں
کسی کی شان ہو تجھ میں خود اپنی شان ہے تو
ہر ایک دل کا مکیں اور لا مکاں ہے تو

تو ایسا ایک ہے کونین میں مرے داتا
جس ایک کا کوئی آدھا نہ آدھے کا دونا
نہ آج تک کوئی تجھ سا ہوا نہ ہوئے گا
یہ شان ہے تری پھر بھی نہ میں کہوں یکتا
جلیل ہے مرے معبود ذوالجلال ہے تو
مثال کس سے تجھے دوں کہ بیمثال ہے تو

حیات و موت بھی یا رب تری نشانی ہے
قیام ہے تجھے ہر چیز آنی جانی ہے
بقا تجھی کو ہے باقی جو ہے وہ فانی ہے
سمجھ گیا جو تجھے وہ بڑا گیانی ہے
وہ روپ ہے ترا اے رام کوئی کیا سمجھے
مگر نبیؐ تجھے سمجھے کہ مرتضیٰ سمجھے

کسی کو خلق میں بخشی گئی خوش اسلوبی
بُرائی لے لی کسی نے کسی کو دی خوبی
عطا ہوئی کسی گل کو ادائے مرغوبی
کسی کو بخشا زمانہ میں وصلِ محبوبی
کسی کو حسن دیا پیاری پیاری صورت دی
گلوں کو رنگ دیا آئینہ کو حیرت دی

تو ہی ہے جس نے عطا کی ہے آب گوہر کو
تو ہی ہے جس نے کہ بخشا ہے لعل پتھر کو
تو ہی ہے جس نے دیا رنگ و بو گلِ تر کو
تو ہی ہے جس نے دیا نور دیدۂ تر کو
تو ہی ہے جس نے محمدؐ سا نیک نام دیا
تو ہی ہے جس نے علی سا مجھے امام دیا

وہی علی کہ ہوا جس سے دیں ترا کامل
وہی علی ترے کاموں میں جو رہا شامل
وہی علی ولی مرتضیٰ شہِ عادل
علی وصیٔ بلا فصل رہبر کامل
علی تک آئے تو پھر مصطفیٰؐ تلک پہونچے
علی کی راہ سے بندے خدا تلک پہونچے

نبیؐ مدینۂ علم خدا علی در ہیں
مرے نصیب میں حیدرؑ مرا مقدر ہیں
یہ بندے وہ ہیں جو بندوں میں بندہ پرور ہیں
جو حق کا شاہد و مقصود ہیں وہ گوہر ہیں
ہے ان کی در پہ عجب ترک و تاز شاہوں کی
جھکی ہوئی ہے جبینِ نیاز شاہوں کی

گدا بھی لگتا ہے ان کا مزاج شاہانہ
طلب کسی سے نہ کشکول ہے فقیرانہ
نظر میں رہتا ہے ہر دم علی کا کاشانہ
مئے ولا سے ہے مخمور ان کا پیمانہ
نیا طریق نیا پیشہ یہ گدائی ہے
اسی فقیر کی وجہ میرے دل کو بھائی ہے

محبّ نہ ان کا کبھی جانب سقر جائے
جو ان کا ہو کے رہے عاقبت سنور جائے
جہاں سے جائے تو حیدرؑ کی راہ پر جائے
یہ زندگی کا مزا ہے کہ اُن پہ مر جائے
پریم ان کا جو کرتے ہیں سکھ اٹھاتے ہیں
جو ملکش ہیں وہ بھجن مرتضیٰ کا گاتے ہیں

بھکاری مانگتے ہیں اُن کا واسطہ دے کر
فضیلت ان کی بیاں کرتے ہیں صدا دے کر
خدا کو پا لیا حیدرؑ نے جانے کیا دے کر
انھی کا ہو گیا سب کچھ انھیں خدا دے کر
وہ کیسے شوم تھے یہ بات کچھ نہیں کھلتی
کہ جن کے نام سے اب بھیک تک نہیں ملتی

امید گاہ جہاں ہے مرے حضور کا در
خلش کو دخل وہاں پہ نہ یاس کا ہے گزر
بھٹکنے والو عبث ہی گیا عبث لشکر
علی سے شیر کے استھان پہ جھکا دو سَر

کسی کے پاس نہ جاؤ اسی طرف کو بڑھو
سبق پڑھو تو دھرم بھگتیوں کا ان سے پڑھو

تولد ہوتا ہے جس گھر میں جب کوئی مولود
کوئی ہو اس میں مسلمان یا کہ اہلِ ہنود
لکھا ہے فطرت اسلام پہ ہے اس کی نمود
مگر ہے حشر تک اسلام کا علی سے وجود

میں کیوں نہ کہہ دوں یہ کہنے میں کیا خرابی ہے
ہر ایک مٹی کا پتلا ابو ترابی ہے

کسی بشر کی ہوئی ہے حرم میں پیدائش
کسی کا نور ہے عرشِ خدا کی آرائش
کسی نے خانۂ دیں کو یہ دی ہے زیبائش
کسی کی شرع میں یوں احمد کی ہے فرمائش

کسی کو حق نے محمدؐ سا دوست دار دیا
کسی کا ذکر بھی ذکر اپنا ہی قرار دیا

کیا تھا اُمتِ موسیٰ کے جاہلوں نے سخن
خدا ہے گر تو کرا دیجئے ہمیں درشن
غرضکہ کر گئی خیرہ نظر بہ چشم زدن
کلیم ہوش میں آئے تو یہ ہوا روشن

خدا کے وصل ہے حیدرؑ دوئی کا طور نہ تھا
انہیں کا نور کا جلوہ تھا کوئی اور نہ تھا

کلامِ حق ہوا نکلا جو ان کے منہ سے سخن
مخالف ان کا حقیقی خدا کا ہے دشمن
ہے ان کے واسطے یکساں جوانی اور بچپن
ہمیشہ نان جویں آپ کا رہا بھوجن

جو دیکھ پائی تھی حیدرؑ کی شانِ سلطانی
عدالت ان کی کچہری کی خود تھی دیوانی

سبب یہی تو ہوئے نیستی سے ہستی کا
نظام انھیں سے ہے قائم خدا کی بستی کا
سبق انھیں نے دیا سب کو حق پرستی کا
بتایا رستہ بلندی کا اور پستی کا

یہ عدل تھا کہ زمانہ میں بے عدیل ہوئے
شرف یہ پایا کہ استادِ جبریل ہوئے

خدا سے ہوگیا منسوب جو انھوں نے کیا
جو ان کا ہو گیا کہلایا وہ خدا والا
رکھا ہے ان کی محبت کا نام عشقِ خدا
جو ان تلک گیا پرماتما تلک پہونچا
بڑھایا حق کو علیؑ کی اگر بڑھائی کی
جو ان سے جنگ کی بھگوان سے لڑائی کی
اگرچہ پردہ نشیں ہے مجھے خدا نے کیا
مگر جو حق ہے اُسے کیوں کہوں میں در پردا
رسولؐ نے شب معراج کہیے کیا دیکھا
بس اتنا پوچھتی ہوں میں نہیں حجاب کی جا
بتا دیں اہل بصیرت وہ تھا خدا کا ہاتھ
خدا کے پردے سے نکلا کہ مرتضیٰ کا ہاتھ
خدا کے بعد اگر ہیں تو ناخدا ہیں یہی
اگر ہو خضر تو ان کے بھی رہنما ہیں یہی
بجا ہے قوتِ بازوئے مصطفیٰؐ ہیں یہی
زمانے والو زمانے کے دیوتا ہیں یہی
خدا سے مل گئے اکدم یہ کیسے نامی ہیں
یہی تو بعدِ محمدؐ ہر اک کے حامی ہیں

جمالِ پاک میں یوسفؑ تو صبر میں ایوبؑ
وہ قوت ان کی کہ داؤد بھی کہیں کیا خوب
خلیلِ حق کی طرح ہر طرح سے خوش اسلوب
وہ زہد حضرت یحییٰؑ کو جو ہوا مرغوب
جو دیکھو فخرِ سلیمانؑ ہیں آپ حجت میں
بنے بنائے ہیں آدمؑ یہ علم و حکمت میں
مسیحؑ ان کے طریقہ پہ فخر و ناز کریں
جو فہم دیکھیں تو خود نوحؑ مرحبا کہہ دیں
کلیمؑ سُن کے مناجات آئیں حیرت میں
یہ حال جب ہو تو احمدؐ یہ کیوں نہ فرما دیں
بھری ہیں سب صفتیں انبیاؑ کی حیدرؑ میں
ہیں نوے خصلتیں ایسی مرے برادر میں
گواہ ان کی فضیلت پہ ہے کتاب خدا
خدا نے عرش کی زینت انھیں قرار دیا
انھیں کو اپنا ولی عہد مصطفیٰؐ نے کیا
قدم کو ان کے جو چومیں ملک تو فخر ہے کیا
حرم میں پشت یہ احمدؐ نے جو چڑھایا ہے
یہ لطف مُہر نبوت نے خود اٹھایا ہے

بہارِ باغِ جہاں انکے فیض عام سے ہے
عروجِ نیرِ تاباں شہہ امام سے ہے
شرف ستاروں کی تسبیح کو امام سے ہے
تمام نظمِ جہاں ان کے انتظام سے ہے
انھیں سے گلشنِ عالم کی زیب و زینت ہے
انھیں کے مسکنِ عالی کا نام جنت ہے

جہاں میں دافعِ رنج و غم و بلا ہیں یہی
شبِ الم کے لیے صبحِ دل کشا ہیں یہی
مریضِ درد کو سرمایۂ شفا ہیں یہی
زمیں پہ حشر تلک حجتِ خدا ہیں یہی
وجودِ بحر ہوا ان کے فیض جاری سے
جبل کھڑے ہوئے قدموں کی پائداری سے

یہی رشی ہیں یہی دیوتا یہی اوتار
خدا کے گھر کے یہ مالک رسولؐ کے مختار
یہی امام یہی پیشوائے روپؔ کمار
جو ان کے حق کو نہ سمجھے خدا کی اُس پہ ہو مار
یہی ہیں بھرتے ہیں عیسیٰؑ تلک بھی دم جن کا
یہی ہیں مُہرِ نبوت پہ تھا قدم جن کا

انھیں کی وجہ سے پرماتما کو پہچانا
انھیں کی وجہ سے ایشور کو خلق نے جانا
انھیں امام سمجھتے ہیں وہ جو ہیں دانا
پتی خدا نے انھیں فاطمہؑ کا گردانا
جدا خدا و نبیؐ سے یہ آج تک نہ رہے
نہ ہوں جو یہ تو زمیں بھی نہ ہو فلک نہ رہے

یہ ہی ہیں جملہ سلاطینِ دہر کے سرتاج
انہی کو دیتے ہیں دنیا کے بادشاہ خراج
انہی کا تابہ ابد ہے خدا کے ملک میں راج
انہی سے خلق میں پایا ہے نیکیوں نے رواج
انہی کے بھائی پہ قرآن پاک اترا ہے
انہی کا دین بھی مذہب بھی صاف ستھرا ہے

رسولؐ ہوں کہ نبیؐ ان کے سب ہیں مجرائی
سند یہ دست خدا کی کسی کے ہاتھ نہ آئی
کسی نبیؐ نے دولہن فاطمہؑ سی ہے پائی
حسنؑ حسینؑ سے بچے رسولؐ سا بھائی
خلاف حق کبھی چاہا نہ ان کی خاطر نے
انھیں بنا کے قلم رکھ دیا مصور نے

سپرد ان کے کیا حق نے سارا کام اپنا
سمجھ کے کچھ انھیں سونپا سب انتظام اپنا
انھیں کے بھائی پہ نازل کیا کلام اپنا
بس انتہا ہوئی بخشا خدا نے نام اپنا
یہ خوبیاں تھیں بتاؤ کسی پیمبر میں
برائے نام بھی رکھا نہ فرق حیدرؑ میں

جو راہبر ہیں انھیں بھی انھیں کی بھائی راہ
یہی ہیں شرع کے حامی یہی ہیں پشت و پناہ
یہی ہیں مملکتِ دیں کے شاہ عالیجاہ
یہی ہیں نوحؑ کی کشتی یہی ہیں حبل اللہ
جو ان کا تابع فرماں ہے بس وہ نامی ہے
یہ جس سے راضی ہیں بھگوان اس سے راضی ہے

جہاں میں دینِ الٰہی انھیں سے ہے قائم
یہی صفی ہیں یہی صف شکن یہی صائم
یہی قسیمِ جناں ہیں یہی ابو القاسم
انھیں کو آیا ید اللہ فوق ایدیہم
بتایا فرق انھیں نے توجا و بے جا میں
انھیں نے جان دی پرماتما کی سیوا میں

یہ دے رہی ہے تواریخ صاف صاف سند
ملے حرم میں نبیؐ کو یہ بازوئے احمد
مگر یہ سن کے میں حیراں ہوں اس گھڑی بے حد
خدا کی ذات تو ہے لم یلد ولم یولد
اگر بشر نہ تعجب کریں تو بیجا ہے
خدا کے گھر میں ہو فرزند کیا تماشا ہے

زمانے بھر میں ہے مشہور آج تک یہ سخن
بہادری میں بڑا نام کر گیا ارجن
ہوئے ہیں اور بھی دنیا میں یوں تو شیر افگن
مگر علیؑ کی طرح سے کیا کسی نہ رن
کسی نے مرحب و انتر کو بھی پچھاڑا ہے
کسی نے بھی درِ خیبر کو یوں اکھاڑا ہے

خدا رسولؐ نے مل کر کیا وصی ان کو
خدا کے عرش کی زینت دلہن ملی ان کو
امام اپنا سمجھتے ہیں متقی ان کو
جو حق کے پاس تھا وہ دیدیا سبھی ان کو
خوشا وہ جلسے جہاں ذکر ان کے ہوتے ہیں
جو ان سے دور ہیں ان کے نصیب سوتے ہیں

انھیں کی وجہ سے ایشور کا نام روشن ہے
انھیں کی وجہ سے گُل ہے بہارِ گلشن ہے
انھیں کی وجہ سے ایماں پہ آج جوبن ہے
انھیں کی وجہ سے یہ شیخ یہ برہمن ہے
بھلا مراتبِ حیدرؓ کو کوئی کیا سمجھے
جو ان کے حق کو نہ سمجھے اسے خدا سمجھے

اگرچہ احمدِؐ مختار نے خدائی کی
مگر علیؓ نے خدائی میں مصطفائیؐ کی
کئے وہ کام کہ اللہ تک رسائی کی
بڑھا وقار جگہ پائی اپنے بھائی کی
تبھی تو خانۂ اسلام کے مکین ہوئے
نبیؐ کے بعد محمدؐ کے جانشین ہوئے

انھیں کی وجہ سے قائم ہے آج تک سنسار
انھیں کے نور کے جلوے ہیں خلق کے اوتار
یہی ہیں کشتیِ عالم کے خاص کھیون ہار
خدا کے بعد اگر ہے تو بس یہی سرکار
یہی خدا کی خدائی میں فردِ واحد ہیں
وحیدِ عصر یہی ہیں یہی موحد ہیں

انھیں کے بچوں نے اخلاق سب کو سکھلایا
قرآن پاک اسی پیشوا کے گھر آیا
انھیں کو نفسک نفسی نبیؐ نے فرمایا
انھیں کو انفنا کا خطاب ہے آیا
اسی گھرانے میں اللہ کے شکیل ہوئے
پسر انھیں کے زمانے میں بے عدیل ہوئے

کسی کی مدح ہے پیشِ مرتضیٰ مہمل
یہ وہ ہیں جن سے کہ دینِ خدا ہوا اکمل
کوئی صفت تو تھی حیدرؓ میں جس کا پایا پھل
خدا نے ان کو ہی آخر کیا امام اول
حبیبِ حضرتِ محبوبؐ ذوالجلال ہیں یہ
نبیؐ کے بعد زمانے میں بے مثال ہیں یہ

مرے رشی کی ہے وہ بارگاہِ عالیجاہ
مَلَک بھی مانتے ہیں جس کی اپنی تیرتھ گاہ
وہی خدا ہے نصیری کا اور وہی اللہ
اسی مقام کی پوجا کرے ہے خلق اللہ
دھرم یہی ہے اور اپنا وہیں گیا جی ہے
نجف ہمارے لئے ہر دوار وکاشی ہے

پڑھے ہیں میں نے وہ اخبار سب مُسلمانی
وہ معرکہ وہ لڑائی اُحد کی لاثانی
وہ دَبدبہ وہ محمدؐ کی شانِ سُلطانی
خدا کے واسطے اسلام کی وہ قربانی
سمجھنا مرنے کو جینا خدا کے پیاروں کا
وہ جوشِ جنگِ محمدؐ کے جانثاروں کا

مجاہدوں کا وہ مجمع وہ اک طرف کفار
کھڑا ہوا وہ حضورِ نبیؐ علمبردار
وہ کون حامئ ایمان حیدرِؓ کرار
محمدؐ عربی کی وہ فوج کا سالار
یہ حکم تھا کوئی رستہ نہ مورچہ چھوڑے
جری وہی ہے لڑائی سے جو نہ منھ موڑے

وہ ہمہمے وہ دلیروں کا شوقِ جانبازی
وہ ہر سپاہی پہ سرکار کی سرفرازی
وہ رعب و شان وہیں جس سے ترکی و تازی
تُلے ہوئے وہ لڑائی پہ ہر طرف غازی
کچھ ایسے فوجِ خدا کے نصیب جاگے تھے
علیؓ تھے پشت پہ سب مصطفٰےؐ کے آگے تھے

غرضکہ معرکہ آرا ہوئی نبیؐ کی سپاہ
سقر کی راہ دکھائی انھیں جو تھے گمراہ
عدو کی فوج کا آخر ہوا یہ حال تباہ
کہ خود ہی انکے تن و جاں کا ہو سکا نہ نباہ
وہ کام آئیں جو فوجیں کھڑی تھی شوم لئے
ظفر نے بڑھ کے قدم مرتضیٰؓ کے چوم لئے

ابھی ابھی تھے مسلماں مظفر و منصور
کہ بس خیالِ غنیمت نے کر دیامقہور
ہزار منع ہی کرتے رہے اگرچہ حضورؐ
مگر حضورؐ کا ارشاد تھا کسے منظور
یہ رنگ دیکھ کے دشمن تمام پھر آئے
سب اُن پہ ٹوٹ پڑے ہر طرف سے گھبرائے

غضب کی پھر تو لڑائی ان اشقیا نے کی
شکست و فتح کی کوشش بڑی بلا کی کی
ستمگروں میں عدو اک نے اک کی آ کے کی
رسول پاک بچے خیر یہہ خدا نے کی
عدو کی خوب یہ ترکیب چلی گئی گویا
شکست فتح سے بالکل بدل گئی گویا

نظر پڑی جو لڑائی میں ہار کی صورت
تو من چلوں نے نکالی فرار کی صورت
بنے تھے ظاہراً جو ...... کی صورت
وہ چل دیئے شترِ بے مہار کی صورت

رسولؐ پاک اکیلے رہے ہزاروں میں
فقط علیؑ تھے محمدؐ کے جاں نثاروں میں

نبیؐ کو چھوڑا دلِ بے قرار کی صورت
نظر نہ آئی کسی نابکار کی صورت
جو دیکھی فوج میں یہ انتشار کی صورت
میں صدقے وہ شہِ دلدل سوار کی صورت

وہ ہمہمہ کیا لشکر نشان چھوڑ گیا
جو اُن کی زد پہ چڑھا وہ پران چھوڑ گیا

کہاں خیال گیا کس طرف ہو روپؔ کمار
کدھر تمہاری طبیعت کا چل دیا رہوار
یہ کیسی پردہ دری ہو رہی ہے پردہ دار
کہاں خزاں کی جھلک اور کہاں نسیم بہار

بیاں میں نور کے ظلمت کا ذکر یہ کیسا
یہ سب عبث ہے کجا اشرفی کجا پیسا

کدھر ہیں اہل بصیرت کہاں ہیں اہل نظر
نگاہ ڈالیں تواریخ ہائے عالم پر
اٹھا کے دیکھ لیں ڈاؤن آف رُومن امپائر
دکھا رہی ہے وہ کیا شانِ حیدرؑ صفدر

بتائیں ہم انھیں تحقیق کے جو مائل ہیں
مورخ اس کے گبن شل کارلائل ہیں

مورخ ہو کہ محقق ہو یا ہو فلسفہ داں
وطن ہو ایشیا ان کا کہ ہوئے انگلستاں
ہو کفر پیشہ کہ اسلام پہ رکھے ایماں
ہماری طرح کوئی دوست ہو کہ دشمنِ جاں

جو منصفانہ نظر ان کی اس پہ جائے گی
بڑائی دستِ یداللہ کی ہاتھ آئے گی

خدا سے لائے خدائی میں جو رسولِ خدا
نبیؐ کی طرح رہے مرتضیٰؑ بھی اُس پہ فدا
ہمارا دین یہی ہے شریعتِ بیضا
اسی کا نام ہے انگلش میں یونیورسل لا

یہی مذاہب عالم میں سب سے اکمل ہے
علیؑ کی طرح سے پاکیزہ ہے مکمل ہے

ہوا عرب میں جو اس دین پاک کا آغاز
تو جاہلوں کو نظر آگیا نشیب و فراز
پکارے بت بھی جھکا کر یہی جبینِ نیاز
زمانہ با تو نہ سازد تو بازمانہ بساز

ہمارے چاہنے والے جو ہیں خدائی میں
منافقانہ رہیں دینِ مصطفائی میں

یہ سن کے پیشِ نبیؐ کچھ منافقیں گئے
بتوں کا دل میں لئے درد بد یقین گئے
حضورؐ میں کبھی دو پہونچے گاہ تین گئے
شریر خیر کی جانب گئے لعین گئے

اگرچہ ظاہراً سرکار سے نباہ کیا
نتیجہ یہ ہے کہ اسلام کو تباہ کیا

خصوص شیرِ الٰہی سے بے وفائی کی
بتوں کی طرح رہے شانِ کج ادائی کی
علیؑ علیؑ کو نہ سمجھا گیا برائی کی
ذرا بھی قدر نہ کی حکم مصطفائیؐ کی

ستم ہے ان کی نہ حُرمت کا کچھ خیال کیا
نبیؐ سے حق ملا اُمت نے پائمال کیا

ستم بتولؑ پہ ڈھایا کسی نے کچھ نہ کیا
علیؑ کو سب نے ستایا کسی نے کچھ نہ کیا
نبیؐ کے گھر کو جلایا کسی نے کچھ نہ کیا
حق ان کا چھینا رولایا کسی نے کچھ نہ کیا

غضب ہے کیسے وہ دیندار تھے زمانہ میں
رسولؐ زادیاں اور جائیں قید خانہ میں

زمانہ والوں نے کچھ مرتضٰیؑ کی قدر نہ کی
امامِ خسرو ارض و سما کی قدر کی
غضب ہے رحمتِ ربِ عُلا کی قدر نہ کی
خدا کے بندوں نے لطفِ خدا کی قدر نہ کی

مجھے ہے قدر کہ پرماتما سے ڈرتی ہوں
میں غیر ملّتِ اسلام ان پہ مرتی ہوں

ولا سے ان کے بھرا ہے دل حزیں میرا
جو یہ نہ ہوتے ٹھکانا نہ تھا کہیں میرا
عقیدہ پوچھتے ہیں مجھ سے ہم نشیں میرا
بتائے دیتی ہوں لو آج ہے یہ دیں میرا

علیؑ امامِ من است و منم غلامِ علیؑ
ہزار جان گرامی فدائے نامِ علیؑ

کسی رشی سے غرض ہے نہ دیوتا سے غرض
ہے اپنے دل کو محمدؐ سے مرتضیٰؑ سے غرض
کسی کے مہر سے مطلب نہ ہے دیا سے غرض
مجھے غرض ہے نصیری تیرے خدا سے غرض

ثنائے ساقی کوثر میں کیوں نہ منہ کھولوں
میں کوڑی ہوں تری گنگا جی کے جے بولوں

اگرچہ کفر کی ظلمت سے تھا بھرا سینا
مگر دیا مرے پرماتما نے دل بینا
اٹھایا جب سے کہ تحقیق کا ہے آئینا
تو ویسے کہتی ہوں اے دل عبث ہے یوں جینا

نہ ہندوم نہ مسلماں نہ کافرم نہ یہود
بحیرتم کہ سر انجام ما چہ خواہد بود

وقار دو مجھے مہراج بے وقار ہوں میں
کمار اپنے گناہوں سے شرمسار ہوں میں
خطائیں مجھ سے ہوئی ہیں خطا شعار ہوں میں
یہ واقعہ ہے نہایت گناہگار ہوں میں

صفت ہے کچھ کوئی خوبی نہ پاس رکھتی ہوں
مگر حضورؐ کی کرپا سے آس رکھتی ہوں

بھٹک رہی ہوں تو بتلائیں یہ جھول مجھے
ملے گی دیر کی پوجا سے خاک دھول مجھے
میں ہوش میں ہوں نہ نسیاں مجھے نہ بھول مجھے
پسند گلشنِ اسلام کے ہیں پھول مجھے

انہیں گلوں میں ہوائے بہشت پھرتی ہے
اسی چمن پہ تو رحمت کی اوس گرتی ہے

میں اس چمن کی مگر کس طرح ہوا کھاؤں
نہ آشنا کوئی گل ہے جو حال دکھلاؤں
میں کیا سے کیا ہوئی جاتی ہوں کس سے بتلاؤں
غرضکہ سوچتی ہوں کیا کروں کہاں جاؤں

کنون چناں نشوم بیقرار پرمیشر
زتیغ کفر دلم شد فگار پرمیشر

ہمیشہ کی ہے بتوں کی پرستشِ بیجا
میں بے خبر تھی اس سے تو کھا گئی دھوکا
صنم کدہ سے یکایک مگر نظر پہ پڑا
خدا تلک ہے محمدؐ کا راستہ سیدھا

جو دوربیں ہیں انہیں یہ طریق بھاتا ہے
ریاضِ خلد کو رستہ یہیں سے جاتا ہے

اسی سڑک پہ ہے طوبیٰ اسی پہ ہے کوثر
یہی وہ راہ ہے نگران ہیں جس کے خود حیدرؑ
اسی سڑک کے نگہبان ہیں حضرت شبیرؑ
یہیں حسینؑ یہیں ہیں حسینؑ کے یاور
اسی سفر میں تو پرماتما سے قربت ہے
کیا حساب تو کل چودہ میل جنت ہے

یہی وہ راہ ہے جس کے نگاہباں ہیں حسینؑ
یہی تو راہ وہی راہ ہے جہاں ہیں حسینؑ
بتائیں ہم جو نہیں جانتے کہاں ہیں حسینؑ
اسی سڑک کے درختوں کے باغباں ہیں حسینؑ
یہ رستہ وہ ہے جو اونچا ہے اور نہ نیچا ہے
اسی کے پودوں کو خود اپنے خوں سے سینچا ہے

اک اپنا کیا ہے بہتّر کا خوں دیا شہؑ نے
میں ان کے صدقے برادر کا خوں دیا شہؑ نے
جناب قاسمؑ مضطر کا خوں دیا شہؑ نے
بس اور کیا علیؑ اکبر کا خوں دیا شہؑ نے
کئی پہر سے جو تھا خشک وہ گلو بھی دیا
بس انتہا ہے کہ ششماہے کا لہو بھی دیا

غضب ہے گر نہ پڑا آسمانِ ظلم شعار
وفورِ غم سے نہ کیوں سینہ زن ہو روپ کمار
حسینؑ میں ترے صدقے تری وفا کے نثار
کسی کا تیر کہاں اور کہاں ترا دلِ زار
تمہارا آخری فدیہ جو یاد آتا ہے
حسینؑ دل مرا ہاتھوں سے چھوٹا جاتا ہے

لکھا ہے جب کوئی حامی نہ شاہدیں کا رہا
اور آپ ظلم کی فوجوں میں گھر گئے تنہا
ہجومِ یاس نے چاروں طرف سے گھیر لیا
تو ناگہاں ذرِ دولت سے دی کسی نے صدا
خبر لو جلد شہؑ کربلا دوہائی ہے
تمہارے بچے کو جھولے میں نیند آئی ہے

یہ سن کے خیمے کی جانب گئے امامؑ ہُدا
قریب جھولے کے پہونچے تو رو کے فرمایا
معاف کیجئے بیکس پدر کو اے بیٹا
کہ ایک پانی کا قطرہ تمہیں پلا نہ سکا
خدا گواہ بہت تم سے شرمسار ہوں میں
یقیں کرو علیؑ اصغر کہ بیقرار ہوں میں

یہ کہہ کے روئے بہت اور پسر کو پیار کیا
اٹھایا جھولے سے حضرت نے اپنا ماہ لقا
ٹپک پڑے تھے جو آنکھوں سے اشکِ شاہِ ہدا
سمجھ کے پانی وہ بچے نے منہ کو کھول دیا
تری جو اشکوں کی پائی تو تھرتھرانے لگا
زبانِ خشک کو ہونٹوں پہ وہ پھرانے لگا

کہا حسینؑ نے پانی تمہیں پلا لائیں
چلو گے نانا کی اُمت کے پاس لے جائیں
ستمگروں کو یہ حالت تمہاری دکھلائیں
صغیر جان کے شاید عدو ترس کھائیں
دہن کو کھول کے سوکھی زباں دکھا دینا
میں تین روز سے پیاسا ہوں یہ بتا دینا

وہ لکھ رہی ہوں میں اب حال شاہِ تشنہ جگر
کہ جس کے دھیاں سے ہے چاک چاک جیبِ سحر
برنگِ داغِ دلِ ماہ ہیں سبھی اختر
فلک پہ غم سے ہے خورشید بھی برہنہ سر
عجیب شکل ہے گلشن میں نونہالوں کی
کلی جو چٹکی تو آواز آئی نالوں کی

گُلوں کے ٹکڑے ہیں دامان تو ہے گریباں چاک
چمن میں لائی ہے سوسن بھی ماتمی پوشاک
اوڑاتی پھرتی ہے سر پہ صبا بھی ہر سُو خاک
جو قمریاں ہیں الم گیں تو بلبلیں غم ناک
چمن میں چھیڑا ہے بلبل نے نالۂ غم کو
ہر ایک شاخ اٹھائے ہے ہاتھ ماتم کو

سمجھ میں کچھ نہیں آتا یہ کیا قیامت ہے
یہ آج گلشنِ ہستی کی کیسی حالت ہے
تباہ کون ہوا کس پہ آئی آفت ہے
ندا یہ آئی کہ ششماہے کی شہادت ہے
تمام اہلِ حرم زار زار روتے ہیں
سکینہؑ سے علیؑ اصغرؑ وداع ہوتے ہیں

سکینہ کہتی ہے بابا ہمیں بھی لے چلیے
میں جا کے ان کی سفارش کروں گی اعدا سے
ملا اگر کہیں پانی تو یہ یقیں کیجئے
نہ خود پیوں گی میں پہلے انہیں پلا دیجئے
نہ اپنی پیاس کا شکوہ کبھی کروں گی میں
جب ان کو پانی پلا لوں گی تب پیوں گی میں

یہ سن کے پیار کیا اور بولے یوں سروڑ
تمہارے جینے کا بی بی محل نہیں واں پر
تمام دشت میں پھیلے ہوئے ہیں بانی شر
کہا سکینہؑ سے پیارے ہیں آپ کو اصغرؑ

ہماری فکر نہ کچھ آپ کیجئے بابا
چچا کے پاس ہمیں چھوڑ دیجئے بابا

میں اُن سے کہہ کے منگا لوں گی نہر سے پانی
کہوں گی عمو سے جا کر بہ اشکِ افشانی
ستم ہے دیکھتی ہیں آپ یہ ستم رانی
سلوک کرتے ہیں ہم سے جو ظلم کے بانی

چچا بھی پانی نہ ہم کو اگر پلائینگے
ہم اپنی سوکھی ہوئی مشک بھر کے لائینگے

کہا اشارے سے شہؑ نے بہن انھیں سمجھاؤ
مچل رہی ہے یہ ناداں کسی طرح بہلاؤ
کہا پھوپھی نے سکینہؑ نہ شاہدیں کو رولاؤ
میں صدقے لاڈلی بیٹی ہماری گود میں آؤ

ہجومِ عام میں اکبرؑ جو تم کو دیکھے گا
غیور ہے اسے صدمہ کمال ہوئے گا

سکینہؑ بہلی تو رن کو شہؑ امام چلے
ستم گروں کی طرف شاہِ تشنہ کام چلے
پسر کو ہاتھوں پہ رکھے ہوئے امامؑ چلے
قدم قدم پہ ادھر موت کے پیام چلے

تمام پیاسوں میں پیارا جو شہؑ کو تھا یہ پسر
حسینؑ ڈھال کا سایہ کیے تھے اصغرؑ پر

پکارے لشکر بے دیں کو جا کے سروڑ دیں
تڑپ رہا ہے کئی دن سے میرا ماہ جبیں
جو کہہ رہا ہوں میں باور کرو تم اس کا یقیں
خود آ کے دیکھ لو پہونچے ہیں یہ اجل کے قریں

جو رحم کھاؤ تو پانی پلانے لایا ہوں
انھیں میں خیمے سے تم کو دکھانے لایا ہوں

لِٹا دوں ریتی پہ دیکھو گے میرے کمسن کو
عطش سے مرتے ہیں پانی پلاؤ گے ان کو
سکون شب کو انہیں ہے نہ چین ہے دن کو
وہ تم نے قتل کیے ان کا درد تھا جن کو

کلیجہ ننھا سا معصوم کا سلگتا ہے
کراہتے ہیں تو اک تیر دل پہ لگتا ہے

تمام خیمے میں ہے شور یوں تو پانی کا
مگر خیال کرو ان کی بے زبانی کا
لحاظ چاہیے کچھ اپنی مہمانی کا
یہ بے زباں متوقع ہے تم سے پانی کا
نہ مانگتا کبھی پانی کہ شرم آتی ہے
پہ کیا کروں مرے بچے کی جان جاتی ہے

تمہارے زعم میں گو میں گناہگار سہی
مگر کہو تو خطا کیا ہے میرے کمسن کی
گزر رہی ہے کئی روز سے جو فاقہ کشی
ملا نہیں انہیں دو دن سے شیر مادر بھی
سمجھ کے پیاسا جو تم ان پہ رحم کھاؤ گے
تو کل کو ساقی کوثر سے جام پاؤ گے

اگر ہو صاحبِ اولاد دیکھ لو آکر
تم اپنے ہاتھ سے کر جاؤ ان کے حلق کو تر
ثواب پاؤ گے پیاسے پہ گر کرو گے نظر
یہ خود پلائینگے محشر میں ساغرِ کوثر
یہی نہیں کہ یہ پیاسے ہیں بلکہ ناداں ہیں
ہماری طرح سے یہ بھی تمہارے مہماں ہیں

سنیں حسینؑ کی باتیں جو اہلِ شر روئے
دلوں کو تھام کے سب صاحبِ جگر روئے
سوار فوج میں رونے لگے شتر روئے
بشر یہ کچھ نہیں موقوف جانور روئے
حباب پانی سے اٹھ اٹھ کے جان کھونے لگے
جو ذی حیات تھے آخر تمام ہونے لگے

مگر وہ ظلم کے بانی تھے فوج میں موجود
ہوئی تھی کفر پہ جن کی سلف سے ہست و بود
جفا میں شمر بد اختر ستم میں ابنِ سعود
مثل ہے مر گئے مردود فاتحہ نہ درود
یہ غل تھا زندہ نہ بچے کو لیکے جائیں حسینؑ
کسی طرح بھی کہیں پہ اماں نہ پائیں حسینؑ

پرے سے فوج کے ناگاہ حرملہ نکلا
کمان دوش سے چلّہ سے تیر لے کے چلا
گلوئے لختِ دلِ شاہِ کربلا تاکا
کماں میں تیر کو جوڑا شقی نے اور یہ کہا
حسینؑ اب وہ پلاتا ہوں آبِ سرد ان کو
کہ تا بہ حشر لگے گی نہ پیاس کمسن کو

یہ کہہ کے تیر کو جوڑا ادھر یہ حال ہوا
کہ حلق چھد گیا معصوم خوں میں لال ہوا
دہن سے خون اُگلنے لگا نڈھال ہوا
اک آہ ہلکی سے کی اور انتقال ہوا
پدر نے یاس سے ننھی سی جان کو دیکھا
کبھی زمیں کو کبھی آسمان کو دیکھا

پکارے سیدِ بے کس یہ کیا کیا تم نے
ہمارے لال کو پانی پلا دیا تم نے
جو کچھ کیا ارے لوگوں برا کیا تم نے
غضب کیا مرے بچے پہ کی جفا تم نے
یہ کہہ رہے تھے کہ تیروں کا مینہہ برسنے لگا
حسینؑ رو دیئے لشکر تمام ہنسنے لگا

بس اب نہیں دلِ مضطر کو تاب صبر و قرار
قلم کو روک کے کر عرض شہؑ سے روپؔ کمار
کہ اے علیؑ کے پسر سبطِ احمدؐ مختار
تمام آپ پہ روشن ہے میری حالتِ زار
مدد کو آیئے مہر آج مجھ پہ آفت ہے
میں کھل کے کہہ نہیں سکتی جو دل کی حالت ہے

مرثیہ سوم

مطلع

"زینتِ حجلہ عفّت ہیں جنابِ زہراؑ"

درحالِ حضرت فاطمہؑ

(93) بند

زینتِ حجلۂ عفّت ہیں جنابِ زہراؑ

زینتِ حجلۂ عفت ہیں جنابِ زہراؑ
رونقِ کشورِ عصمت ہیں جنابِ زہراؑ
خلق میں حق کی ودیعت ہیں جنابِ زہراؑ
پرتوِ مہرِ نبوت ہیں جنابِ زہراؑ
باپ کی طرح سے یکتائے زمانہ یہ ہوئیں
مختصر یہ ہے کہ دنیا میں یگانہ یہ ہوئیں
مظہرِ نورِ رسالتؐ ہیں جنابِ زہراؑ
گُل جو احمدؐ ہیں تو نکہت ہیں جنابِ زہراؑ
وائیِ ملکِ شریعت ہیں جنابِ زہراؑ
منبعِ عفت و عصمت ہیں جنابِ زہراؑ
مصحفِ پاک میں دیکھے کوئی قصہ ان کا
مہر کا خلد میں ہے پانچواں حصہ ان کا
زینتِ پہلوئے محبوبِ خدا ہیں زہراؑ
مثلِ حیدرؑ کے معین الضعفا ہیں زہراؑ
دردِ عصیاں کے مریضوں کی دوا ہیں زہراؑ
کیا کہوں دخترِ احمدؐ کو کہ کیا ہیں زہراؑ
جس سے خوشبو ہے جہاں وہ گُلِ سادات دیئے
ان کو بھگوان نے دو گوہرِ نایاب دیئے

عرش و کرسی میں ہے تنویرِ جنابِ زہراؑ
حق کی تصویر ہے تصویرِ جنابِ زہراؑ
کیسے روشن نہیں توقیرِ جنابِ زہراؑ
حبّذا اخترِ تقدیرِ جنابِ زہراؑ
گیارہ معصوموں کی ماں شاہِ زنان آپ ہوئیں
حد یہ ہے خلق میں خاتونِ جناں آپ ہوئیں
دامنِ عفو ہے دامانِ جنابِ زہراؑ
خلق ہے بندۂ احسانِ جنابِ زہراؑ
واہ کیا شان ہے قربانِ جنابِ زہراؑ
حق کا فرمان ہے فرمانِ جنابِ زہراؑ
عین بھگوان کی رحمت ہے کرم زہراؑ کا
جب تلک دم ہے بھروں گی یوں ہی دم زہراؑ کا
کس کا زہرہ ہے جو کرے وصفِ جنابِ زہراؑ
غیر ممکن ہے دو عالم میں جوابِ زہراؑ
باعثِ قہرِ الٰہی ہے عتابِ زہراؑ
بے شمار آئے ہیں قرآں میں خطابِ زہراؑ
وصف جس بی بی کا قرآن میں بھگوان کرے
اُس کی توصیف بھلا کیا کوئی انسان کرے

زینتِ محفلِ حورانِ جناں ہیں زہراؑ
دلِ محبوبؐ خدا جانِ جہاں ہیں زہراؑ
ساکنِ فرش ہیں پر عرش مکاں ہیں زہراؑ
خلق میں احمدِؐ مرسل کا نشاں ہیں زہراؑ

سہو و نسیاں سے بری مثلِ پدر ہیں بی بی
عین محبوب الٰہی کی نظر ہیں بی بی

لکھنے کو بیٹھی ہوں اس صاحبِ عفت کا میں حال
پردۂ دل سے یہ مضموں کا نکلنا ہے محال
مدح زہراؑ کروں پر ہو گی نہیں میری مجال
مجھ سے در پردہ میرا ذہن یہ کرتا ہے مقال

بے خبر بنتِ پیمبرؐ کی ثنا مشکل ہے
ہو سکے مدحتِ داور بخدا مشکل ہے

آپ کے ہاتھ ہے بھگوان کے سب مُلک کا راج
کُل کی رانی ہوئیں پایا جو ہے علیاؑ مہراج
اسی بی بی کے سبب رہ گئی اسلام کی لاج
نسخۂ الفتِ زہراؑ ہے گناہوں کا علاج

عاصیوں کے لیے ہیں نوحؑ کی کشتی زہراؑ
کر چکیں اپنے محبوں کو بہشتی زہراؑ

کس قدر آپ کے یا فاطمہؑ اچھے ہوئے بھاگ
کوکھ ٹھنڈی رہی قایم رہا حیدرؑ کا سہاگ
خلق میں سارے رشی آپ کا گاتے رہے راگ
جس کو جی چاہا عطا کی اُسے جنت بے لاگ

سب سے بڑھ کر یہ نئی بات نیا طور سنو
کلمہ زہراؑ کا پیمبرؐ نے پڑھا اور سنو

کس کو کونین میں حاصل ہوئی عزت ایسی
کب ملی یوسفِ کنعاں کو صورت ایسی
طاہرہ ہوگئیں مشہور طہارت ایسی
فخرِ کونین ہوئیں پائی سعادت ایسی

دیکھ کر بیٹا کا منہ شکرِ خدا کرتے تھے
ان کی تعظیم رسولؐ دوسرا کرتے تھے

آپ ہی حق کی کنیزوں میں ہیں مخصوص کنیز
باحیا عاقلہ باعفت و باہوش تمیز
جانِ محبوب خدا حضرتِ عمراں کی عزیز
اس شرف پر بھی سمجھتی رہیں خود کو ناچیز

راز اللہ و نبیؐ نے کیے ظاہر ان سے
گیارہ معصومؑ ہوئے طیب و طاہر ان سے

ان کے بچے ہوئے سردارِ جوانانِ جناں
رونقِ خانۂ دل نورِ نظر راحتِ جاں
انھی بچوں کا تو پرماتما ہے مرتبہ داں
دور ان سے کیا خالق نے خطا و نسیاں
روح نانا کی فدا باپ کی جاں قرباں ہو
تربیت ایسی ہوں بچوں کی جب ایسی ماں ہو

ان کی ہمسر ہوئیں مریمؑ نہ جنابِ حواؑ
آسیہؑ خود درِ زہراؑ پہ رہیں ناصیہ سا
مرتبہ آپ سے آدھا بھی نہ سارہؑ کو ملا
ان کی توقیر کجا مادرِ شبیرؑ کجا
ان کی تعظیم شہنشاہِ عرب کرتے تھے
یہ وہ بی بی ہیں مَلک جن کا ادب کرتے تھے

زینتِ عرشِ بریں پاک چلن خوش اوقات
باپ کی طرح سے مقبولِ خدا نیک صفات
وہی احمدؐ کی سی خوبو وہی سارے عادات
ساری خالق کی کنیزوں میں رفیع الدرجات
کس نے زہراؑ کی طرح رتبۂ عالی پایا
کون سی بی بی کو تطہیر کا آیہ آیا

ہمسرِ حیدرؑ صفدر بنیں اللہ رے وقار
حکمراں کشورِ عصمت کی ہوئیں بے تکرار
حامیِ دینِ خدا گلشنِ ایماں کی بہار
زینتِ عرشِ عُلا شاہِ زناں نیک شعار
فطرتاً سیب کی بو ان سے سدا آتی تھی
چمنِ خلد تلک جس کی مہک جاتی تھی

جس طرح احمدؐ و حیدرؑ ہوئے مردوں میں سوا
عورتوں میں یوں ہی زہراؑ نے شرف ہے پایا
خاص انھیں کے لیے ہے مصحفِ زہراؑ آیا
دیکھیے قرآنِ مبیں میں کوئی ان کا رتبا
ہر مخالف کی نگاہوں سے وہ نادیدہ ہے
فضل ان کے نظرِ غیر سے پوشیدہ ہے

راج دربار میں بھگوان کے عزت پائی
اشرفِ خلق ہوئیں ایسی شرافت پائی
مثلِ قرآنِ مبیں نور کی صورت پائی
حق رسیدہ ہوئیں راج یہ رفعت پائی
باپ کی طرح سے امت کی مددگار ہیں یہ
کُل کی سرکار ہیں سرتاج ہیں سردار ہیں یہ

عرشِ اعظم پہ ہوا کون سی بی بی کا بیاہ
کس کا شوہر ہوا دنیا کے لیے پشت و پناہ
باعثِ خلقتِ آدم بدرِ عالی جاہ
ان کا ہم مرتبہ ہو کوئی عیاذاً باللہ
خلق کے واسطے ہیں مریمِ کبریٰ زہراؑ
مرتے مرتے بھی پکاروں گی میں زہراؑ زہراؑ

آپ ایشور کی یگانی بھی ہیں بیگانی بھی
اُس کے محبوب کی محبوب بھی ہیں جانی بھی
آپ کے پانے میں مشکل بھی ہے آسانی بھی
آپ مسلم بھی ہیں اسلام کی ہیں بانی بھی
پنجتن مل گئے زہراؑ کو اگر جان لیا
ان کو پہچانا تو بھگوان کو پہچان لیا

صدقے میں آپ کے ہیں اسمِ گرامی کیا کیا
فاطمہؑ زاہدہ صدیقہ بتول و عذرا
طاہرہ سیّدہ محبوبۂ محبوبِ خدا
ساجدہ راضیہ مرضیہ جنابِ زہراؑ
مرتضیٰ آپ کو حسنینؑ کی ماں کہتے تھے
خلد والے انہیں خاتونِ جناں کہتے تھے

اسی بی بی سے ہوا گیارہ اماموں کا ظہور
اسی بی بی سے رجس کو کیا بھگوان نے دور
نیکیوں کا اسی بی بی نے نکالا دستور
حوریں آتی رہیں مجری کے لیے ان کے حضور
پیشِ حق ان کی توقیر بڑی رہتی ہے
رحمتِ حق درِ دولت پہ کھڑی رہتی ہے

قلزمِ رحمتِ خالق کا کنارا ہیں یہی
جن سے روشن ہے دو عالم وہ ستارا ہیں یہی
عاصیوں کے لیے بخشش کا سہارا ہیں یہی
دل شکستوں کا وسیلہ یہی چارہ ہیں یہی
وہی اچھے ہیں جو رکھتے ہیں محبت ان سے
مغفرت ان کی ولا سے ہے پرم گت ان سے

کس کو بھگوان نے یہ رتبۂ ذی جاہ دیا
کچھ یہ کم رتبہ ہے شوہر اسد اللہ دیا
مہرِ تاباں دیا اک لال تو اک ماہ دیا
باپ ایشور نے محمدؐ سا شہنشاہ دیا
شافعِ حشر کیا اک یہ شرف اور دیا
ان کو سردارِ زنانِ حق نے بہر طور کیا

کس سے تشبیہ دوں زہراؑ کو عجب ہے مرا حال
سوچتی ہوں کوئی ملتی نہیں عالم میں مثال
کی نظر مہر مبیں پر تو اُسے بھی ہے زوال
کہوں گر ماہ تو اس میں نہیں ہے یہ کمال

اُس میں تو داغ ہے دھبہ ہے یہ نورانی ہیں
آپ کونین میں بے مثل ہیں لاثانی ہیں

آپ کا فرقۂ نسواں پہ ہے احسان عظیم
صنفِ نازک کے لیے ہے یہی عمدہ تعلیم
مثلِ شوہر کے ملا آپ کو بھی قلبِ سلیم
سب مٹاں دیں وہ جہالت کی جو رسمیں تھیں قدیم

ناپسندیدہ جو باتیں تھیں اُسے دور کیا
حکم جو باپ سے پایا اُسے منظور کیا

پارسائی میں خواتین جو مشہور ہیں آج
یہی خاتونِ قیامت ہوئیں ان کی سرتاج
اسی بی بی نے لیا حق سے مناسب یوراج
اسی خاتون سے جاری ہوا پردہ کا رواج

آپ سے سب نے محبت کا طریقہ سیکھا
خوبیاں سیکھیں ادب سیکھا سلیقہ سیکھا

پہلے یوں شوہر و زوجہ میں مساوات نہ تھی
اب زمانہ میں طریقہ جو ہے یہ بات نہ تھی
سچ یہ ہے پہلے تو عورت کی کوئی ذات نہ تھی
غم سے اک دم کے لیے ترکِ ملاقات نہ تھی

بھیڑ بکری سے بھی عورت کی تھی بدتر حالت
ان سے پہلے تھی عجب طرح کی ابتر حالت

آپ سنسار میں آئیں تو گئی خیر سے شر
آپ کُل پردہ نشینوں کی بنیں ہیں افسر
عین احسان و کرم آپ کا ہے نسواں پر
واہ کیا بات ہے اے فاطمہؑ نیک سیر

آپ پیدا ہوئیں ہم سب کی ہدایت کے لیے
حق نے بھیجا ہے تمھیں لطف و عنایت کے لیے

کس قدر آپ کا تھا چال و چلن نستعلیق
بیکسوں پر رہیں شوہر کی طرح سے بھی شفیق
اپنے دشمن کی بھی محسن تو محبوں کی رفیق
ہم کو بتلا گئیں دنیا میں مشیت کے طریق

باپ کے ساتھ رسالتؐ کا ہر اک کام کیا
تم نے عورات کے پردہ کا سرانجام کیا

صاحبِ شرم وحیا صاحبِ اخلاقِ خلیق
ذی حشم ذی قدم و ذی شرف و ذی توفیق
واقفِ سرِ خدا عالم و دانا ولئیق
خالقِ کُل کو پسند آیا وہ تھا ان کا طریق
گر زمانہ میں نہ یہ صاحبِ عصمت ہوتیں
پھر تو نسوانِ جہاں قابلِ نفرت ہوتیں

اک رسالہ میں یہ مضمون ہے میں نے دیکھا
باپ کے پاس تھیں اک روز جنابِ زہراؑ
ناگہاں کان میں آئی کسی سائل کی صدا
آپ چھپنے لگیں آواز کو اس کی جو سُنا
اُس کے آنے کی خبر پاتے ہی تھرّانے لگیں
پردہ کرنے لگیں چھپنے لگیں گھبرانے لگیں

ہنس کے فرمایا پیمبرؐ نے کہ بی بی میں فدا
کس لیے چھپتی ہو کیوں کرتی ہو اس سے پردا
اے مری نورِ نظر یہ تو ہے خود نابینا
عرض کی آپ نے بینا تو مگر ہے زہراؑ
غیر محرم پہ نظر گر میری پڑ جائے گی
بابا غیرت سے وہیں فاطمہؑ گڑ جائے گی

ہے کوئی پردۂ زہرا کی زمانے میں مثال
مرتے مرتے رہا جس بی بی کو پردے کا خیال
مرحبا مرحبا اے فاطمۂ نیک خصال
نزع میں بھی رہی تاکید یہ حیدرؑ سے کمال
مرا تابوت کسی کو نہ دکھانا صاحب
رات کے وقت جنازے کو اٹھانا صاحب

کربلا کرتی ہوں اس وقت میں تجھ سے یہ سوال
یہ بتا ہے کوئی سنسار میں زہراؑ کی مثال
اس قدر پردہ کا جس پردہ نشیں کو ہو خیال
اُس کی اولاد کو بے پردہ کریں بد افعال
کربلا دخترِ حیدرؑ کی اہانت ہوئے
تو مگر شق نہ ہو تجھ پہ قیامت ہوئے

کربلا یاد ہے کچھ تجھ کو قیامت کا وہ دن
وہ بلاخیز سماں حشر کا آفت کا وہ دن
اُسی بی بی کے گھرانے کی حراست کا وہ دن
بنتِ زہراؑ کی مصیبت کا ندامت کا وہ دن
خلق کو ہائے ستم جس نے سکھایا پردہ
اُس کی بیٹی کا جنھوں نے اٹھایا پردہ

کیا نہ تھی دخترِ خاتوں قیامت زینبؑ
کیا نہ تھی حضرتِ زہراؑ کی امانت زینبؑ
کیا نہ تھی فاطمۂ پاک کی راحت زینبؑ
کیا قیامت ہے کہ ہو زیرِ حراست زینبؑ
کیا ستم ہے نہ مقنہ ہو نہ چادر ہوئے
بیٹی خاتونِ قیامت کے کھلے سر ہوئے

گلشنِ دہر میں ہے فاطمی پھولوں کی بہار
صدقے ان پھولوں کے ہو جائے نہ کیوں روپ کنوار
ان نہالوں کے چمن میں ہے نہ گل میں کوئی خار
ان کا ہمسر ہو وہ عالم میں کوئی استغفار
منتخب گل ہیں پسندیدۂ یزداں ہیں یہ
عرش تک جن کی رسائی ہے وہ ذی شان ہیں یہ

بے خبر ان کے شرف سے نہیں ہرگز اشراف
کیوں نہ میں ان کے مخالف کو کہوں اہلِ خلاف
حضرتِ نوحؑ و سلیمانؑ سے تا عبدِ مناف
دیوتا ہوتے رہے آپ کے سارے اسلاف
آج سنسار کے مولا ہیں موالی ان کے
درجے بالا ہوئے رہتے ہوئے عالی ان کے

یہی فردوس کا رستہ ہیں یہی خلد کی راہ
نوحؑ کا بھی تو سفینہ ہیں یہی ظلِ اللہ
یہ ضیائے رُخِ خورشید ہیں نورِ رخِ ماہ
یہی کونین میں ہیں سب کے لیے پشت و پناہ
آسرا آپ ہی کا رکھتے ہیں عقبا والے
پیروی آپ ہی کی کرتے ہیں دنیا والے

راز یہ تھا جنم حیدرؑ کا جو کعبہ میں ہوا
یعنی جب گھر میں ہو بھگوان کا بیٹا پیدا
تو ہو پھر دخترِ محبوب سے اس کا رشتا
اُنس تا عاشق و معشوق میں بڑھ جائے سوا
ایک ہو جائیں دوی کی کوئی صورت نہ رہے
غیر توحید و رسالت سے امامت نہ رہے

وصف میں آپ کے مداحوں نے کیا کیا نہ کہا
کون سی بات ہے جو چھوڑ گئے ہیں شعرا
لاکھ کچھ کہہ گئے پھر کچھ بھی نہیں ہے بخدا
ختم پر مدحتِ زہراؑ کا فسانہ نہ ہوا
وصف جس بی بی کا قرآن میں بھگوان کرے
اس کی تعریف بھلا کیا کوئی انسان کرے

اللہ اللہ یہ شرف باپ نبیؐ پوتے امام
پایا شوہر بھی مقدر سے خدا کا ہم نام
خادمہ حوریں فرشتے درِ دولت کے غلام
نعمتیں اپنی کیں اللہ نے سب ان پہ تمام
پیشِ حق کون سی بی بی کی یہ توقیر ہوئی
کس کی زہراؑ کی سی کونین میں تقدیر ہوئی

گلشنِ عالم امکاں میں انھیں کی ہے بہار
ان کی جبریلؑ نے کی آسیا سائی سو بار
نسل سے انکی جہاں میں ہوئے گیارہ اوتار
آئے فردوس سے ان کے لیے میوے کئی بار
ان کی خدمت سے فرشتوں نے بھی عظمت پائی
پر ملے جب کے مقرب ہوئے عزت پائی

ناز برداریاں سہتے تھے محمدؐ ان کی
قدر کرتے رہے جبریلؑ کے مرشد ان کی
پانچ معصوموں میں ہے تیسری مسند ان کی
مدح کی ہے مرے بھگوان نے بے حد ان کی
چار جب تک رہے چادر میں نہ حق کو بھایا
جب یہ داخل ہوئیں تطہیر کا آیہ آیا

اسدؑ اللہ کی مونس بھی ہیں ناموس بھی ہیں
شمعِ دیں بھی ہیں ایمان کی فانوس بھی ہیں
حق سے بھی انس ہے بھگوان سے مانوس بھی ہیں
عکس بھی نورِ امامت کا ہیں معکوس بھی ہیں
حق تو یہ ہے کہ جو حیدرؑ ہیں وہی ہیں زہراؑ
کیوں نہ ہوں خلق میں جب ایک رہی ہیں زہراؑ

پارسا ایسی کہ حیدرؑ پڑھیں دامن پہ نماز
زہد و تقوی میں طہارت میں جہاں سے ممتاز
ناز ہے جس پہ نمازوں کو وہ ہے ان کی نماز
کیسا بھایا میرے پرماتما کو حسنِ نیاز
تھیں جو محبوب کی محبوب تو محبوب ہوئیں
کل ادائیں مرے بھگوان کو مرغوب ہوئیں

منزلت آپ کی کرتے رہے سلطانِ حجاز
آپ کی خلقتِ پاکیزہ ہے بھگوان کا راز
خاص ایشور نے کیا آپ کو زہراؑ ممتاز
بہ درِ فیض تو استادہ بصد عجز و نیاز
زنگی و رومی و طوسی یمنی و چلپی
فخر سمجھا کئے سب آپ کی جاروب کشی

وجہ خلقت ہیں یہی آب و نمک ان کا ہے
بحر و بر ان کا زمیں ان کی فلک ان کا ہے
حوریں سب ان کی ہیں غلمان و ملک ان کا ہے
کچھ خدائی نہیں اللہ تلک ان کا ہے
سب ہیں اللہ و علیؑ ان کے محمدؐ ان کے
ساری دنیا سے فضائل ہوئے بے حد ان کے

وہ زمیں پوش ترے در کا ہے ایشور کی قسم
گرچہ پا جاؤں تو آنکھوں پہ رکھوں ہر دم
دل سے یا فاطمہؑ آتی ہے صدا یہ پیہم
نسبت خود بہ سگت کردم پس منفعلم
یہ خطا ہے یہ غلط ہے نہیں عزت طلبی
باچہ نسبت بہ سگِ کوئی تو شد بے ادبی

بادۂ الفتِ زہراؑ کی طلب گار ہوں میں
پی چکی جو کئی ساغر وہی میخوار ہوں میں
گو خطاوار ہوں دیرینہ گناہ گار ہوں میں
پر ازل سے اسی بادہ کی پرستار ہوں میں
مرے دیرینہ گناہوں کی دوا دے ساقی
آج زہراؑ کی ردا دھو کے پلا دے ساقی

وہ پلا جس کو رسولوں نے اماموں نے پیا
وہ پلا پیتے رہے ہیں جسے خاصانِ خدا
نشہ جس مے کا سدا حضرتِ موسیٰ کو رہا
جس کو پیتے رہے داؤدؑ و مسیحؑ و یحییٰ
جس کے عادی تھے زمانہ میں طریقت والے
جس کی پیتے رہے دنیا میں شریعت والے

وہ پلا جس کو محمدؐ سے پیمبرؐ نے پیا
وہ پلا دے جسے خود ساقیِ کوثر نے پیا
وہی بادہ جسے شبیرؑ و شبرؑ نے پیا
وہ پلا دے جسے سلمان و اباذر نے پیا
جس کو محبوب شہِ جن و بشر رکھتے تھے
جس پہ جبریلؑ بھی للچائی نظر رکھتے تھے

وہ پلا جو کہ ہے زہراؑ کی محبت کی شراب
وہ پلا ہو جو حقیقت میں حقیقت کی شراب
ساقیا دے مجھے خمخانۂ قدرت کی شراب
ہاں پلا پنجتنؑ پاک کی الفت کی شراب
ماسوا اس کے جو ہیں اس سے سروکار نہیں
اور بادہ کسی عنواں مجھے درکار نہیں

جس میں شامل رہی بھگوان کی رحمت وہ پلا
نکھری جس بادہ سے اسلام کی رنگت وہ پلا
جس کے پینے کی ہے قرآں میں ہدایت وہ پلا
پی گئے جس کو شہیدانِ محبت وہ پلا

ہاں پلا جلد کہ میخوار کا جی چھوٹتا ہے
دیکھ انگڑائیاں آتی ہیں بدن ٹوٹتا ہے

وہی ساغر دے حیا سے جو بھرا ہو ساقی
کاگ بھی جس پہ طہارت کا لگا ہو ساقی
پاک بازی پہ مری جس سے ضیا ہو ساقی
جس سے عصمت پہ مری اور جلا ہو ساقی

محتسب سے نہ ڈروں خوف خدا کا نہ کروں
آج اسے چادرِ تطہیر کے پردہ میں پیوں

مُہر حیدرؑ کی ہو جس پر وہ مئے ناب پلا
جو کہ جائز ہے سراسر وہ مئے ناب پلا
جس کے پینے میں نہ ہو شر وہ مئے ناب پلا
ہو جو ہم سیرتِ کوثر وہ مئے ناب پلا

جس نے کعبہ میں بھی پی تھی وہی میخوار ہوں میں
مجھ کو پہچان لے دیرینہ خریدار ہوں میں

ڈھانک لے جو مرے عصیاں وہی دینا ساقی
جس میں ہو جوشِ طہارت وہی بادہ ساقی
نور عفت کا ہو جس میں وہی صہبا ساقی
مہر عصمت کی ہو جس پہ وہی مینا ساقی

پردہ پوشی کی ہو خو جس میں وہ صہبا دے دے
سیر ہو کر پیوں خود ساغر و مینا دے دے

جب سے منہ مرے لگی ہے یہ شراب عالی
کوئی بادہ نہ پیوں گی یہ قسم ہے کھا لی
کبھی اب تک نہ ترے در سے پھری ہوں خالی
ہاں اٹھا دے ترے صدقہ وہی زہراؑ والی

دور چلتا رہے ساقی اُسی پیمانہ کا
کہ بڑا نام ہوا ہے ترے میخانہ کا

اللہ اللہ مرا منہ اور یہ شراب طاہر
غیر مسلم ہوں بظاہر ہوں شاگستر
دل سے ہوں پر درِ میخانہ پہ تیرے حاضر
اور عقاید سے بھی اسلام کے اب ہوں ماہر

یوں تو کہنے کو تہی دست ہوں کیا رکھتی ہوں
دل میں پر آلِ پیمبرؐ سے ولا رکھتی ہوں

متعجب مرے پینے پہ ہیں پینے والے
کہ پلاتے ہیں محمدؐ کے سفینہ والے
کربلا والے نجف والے مدینہ والے
دیکھ کر ہوتے ہیں خوش نیک قرینہ والے
ساغرِ دل میں یہ ہر وقت بھری رہتی ہے
مرے پہلو میں یہ شیشہ کی پری رہتی ہے
آج شیشہ کی پری ہم ہیں اُڑانے والے
پھر نہ جائیں درِ میخانہ سے آنے والے
مجھ سے مے نوش کو دیکھیں تو زمانے والے
چودہ ساقی ہیں مرے مجھ کو پلانے والے
عمر گزری ہے اسی شغل میں جیتی ہوں میں
دیکھ لو گھر میں محمدؐ کے بھی پیتی ہوں میں
میکدہ اپنا بنا خلق کے ہادی کا مکاں
میکشو اس کا ادب چاہیے حتی الامکاں
مفتی ساکت ہے ادھر بند ہے قاضی کی دکان
آج زاہد متحیر ہے تو ہے واعظ حیراں
ناطقہ بند یہاں کاتبِ اعمال کا ہے
کیوں نہ ہو میکدہ کس صاحبِ اقبال کا ہے

مستند ہے جو شرابوں میں وہ اس میں ہے شراب
تھی جو کعبہ کے خرابوں میں وہ اس میں ہے شراب
ذکر جس کا ہے کتابوں میں وہ اس میں ہے شراب
جو نہ دیکھی کبھی خوابوں میں وہ اس میں ہے شراب
اُس کا منہ کھینچ کے یہ لگتی ہے جو عرفانی ہے
پاک ہے صاف ہے بے مثل ہے لاثانی ہے
پہلے بھگوان سے پوچھے کوئی لذت اس کی
مدتوں حق سے رہی عرش پہ صحبت اس کی
مستند صورتِ قرآں ہے طہارت اس کی
ہر زمانے کے رشی کرتے تھے رغبت اس کی
نام پر فاطمۂ زہراؑ کے یہ تاثیر بڑھی
پارسا بنتِ عنب ہو گئی توقیر بڑھی
طاہر ایسی ہے کہ نازاں ہے طہارت اس پر
اس کی پاکی پہ ہوئی مہرِ نبوت اس پر
ہوئی اللہ و پیمبرؐ کی شہادت اس پر
حد ہے موقوف ہوا اجرِ رسالت اس پر
بے پیئے اس کے عبادت کوئی مقبول نہیں
یہ وہ فاعل ہے کہ جس کا کوئی مفعول نہیں

کیوں بہکنے لگی تو پی کے سوا روپ کنوار
مجھ سے مفعول کی تفصیل کو سن ہو ہوشیار
فعل جب اس ہوا الفتِ شاہِ ابرار
ساتھ بھی ان کے ہے عترتِ آلِ اطہار
سب وہ مفعول ہیں اس مئے کے جو میخوار بنے
جان کو بیچ کے اس مئے کے خریدار بنے

انھیں مفعول کی خاطر سے بنائی یہ شراب
آسمانوں سے زمینوں تلک آئی یہ شراب
حور و غلمان و فرشتوں کو پلائی یہ شراب
حد ہے اللہ و پیمبرؐ کو ہے بھائی یہ شراب
سب سے پہلے اِسے ربِ دوسرا نے چکھا
جب خدا نے چکھا محبوبِ خدا نے چکھا

بعد احمدؐ کے یہ مئے نفسِ نبیؐ نے پی ہے
زوجۂ شاہِ نجف حق کے ولی نے پی ہے
پھر حسنؑ اور حسینؑ ابن علیؑ نے پی ہے
الغرض آلِ محمدؐ میں سبھی نے پی ہے
پی چکے یہ تو سوا اور بھی تکریم ہوئی
بعد ان سب کے محبوں میں تقسیم ہوئی

تو بھی مفعول ہے لے بن گئی قسمت تیری
حُسن تقریر سے ظاہر ہے عقیدت تیری
فاطمہؑ زہرا سے روشن ہے محبت تیری
آلِ اطہار کے بھی ساتھ ہے الفت تیری
نکلی گنگا سے تو پھر اب نہ گناہگار رہی
کوثر و خلد کی نعمات کی حق دار رہی

جتنا جی چاہے پیو اس کے ہے پینے میں ثواب
چھا رہا ہے مرے بھگوان کی رحمت کا سحاب
مجھ کو پیتے ہوئے یوں دیکھ کے الفت کی شراب
دشمنِ آل کے دل رشک سے ہوتے ہیں کباب
غیر اس مئے کے قریں بھی نہیں آ سکتے ہیں
میں جو پیتی ہوں تو وہ رشک سے منہ تکتے ہیں

عقد جب مخبرِ صادقؐ کا خدیجہؑ سے ہوا
منحرف ہو گئیں بی بی سے زنانِ مکّا
طعنہ زن ہو کے ہر ایک کرنے لگی ترکِ وفا
آپ مغموم و حزیں رہتی تھی اکثر تنہا
ہے عجب بات نہ ہوتا تھا کوئی جب گھر میں
فاطمہؑ کرتی تھیں باتیں شکمِ مادر میں

روز مادر سے رہا کرتی تھیں جاری باتیں
ماں کو مرغوب تھیں بیٹی کی دُلاری باتیں
ہوتیں اس طرح تھیں مادر سے پیاری باتیں
گویا قرآن کی تفسیر ہیں ساری باتیں
غم غلط ہوتا تھا جی ماں کا بہل جاتا تھا
ایسی باتیں تھیں کہ قرآں کا مزا آتا تھا

آپ پیدا ہوئیں امت کی ہدایت کے لیے
منتخب ہو گئیں حیدرؑ سے قرابت کے لیے
کارِ حق کرتی رہیں اخذِ سعادت کے لیے
دکھ سہے آپ نے سنسار کی راحت کے لیے
دوستوں کی طرح غیروں کی خطا پوش رہیں
پہلوئے پاک شکستہ ہوا خاموش رہیں

مظہرِ شانِ الٰہی ہیں سب افعال ان کے
حق پہ گویا رہے طوطی کی طرح لال ان کے
اے زہے عزت و توقیر خوشا حال ان کے
صبر کرتی رہیں گو حق ہوئے پامال ان کے
قوم نے ظلم کیے پر کبھی شکوہ نہ کیا
وہی صورت رہی الفت کی وہی طور رہا

بالخصوص آپ نے اسلام پہ احسان کیا
اسی اسلام پہ شبیرؑ کو قربان کیا
اپنی بیٹی کے بھی پردے کا نہ کچھ دھیان کیا
جو کیا کام پسندیدۂ بھگوان کیا
ایسی محسن سے بھی غداروں نے غداری کی
غضب حق کرنے کو مکاروں نے مکاری کی

پورا خواہش کو کبھی آپ نے ہونے نہ دیا
دامنِ زخم بھی اشکوں سے بھگونے نہ دیا
روئیں بابا کو جو کھول کے رونے نہ دیا
عمر بھر فتنہ بے دار نے سونے نہ دیا
ان کی حرمت پہ نظر کی نہ علیؑ کو جانا
ان کو پہچانا نہ اللہ و نبیؐ کو جانا

عمر بھر امتِ احمدؐ کی وفادار رہیں
دینِ احمدؐ کی شریعت کی مددگار رہیں
حامیٔ خیر رہیں حق کی طرف دار رہیں
آپ اسلام کی مونس رہیں غم خوار رہیں
منتشر دیکھ کے اسلام کو غم کھاتی رہیں
اُن بہتر میں کرم ایک پہ فرماتی رہیں

صدمے کیا کیا ہوئے چھوڑا نہ مگر استقلال
مرتے مرتے بھی رہا باپ کی امت کا خیال
گو کہ امت نے کیا آپ کے حق پامال
میں فدا صبر کا دکھلا گئیں دنیا کو کمال
اپنے بچوں کو بھی تعلیمِ وفا دے کے گئیں
اٹھیں دنیا سے تو امت کو دعا دے کے گئیں

سختیاں جھیلیں زمانہ کے ہراساں نہ ہوئیں
دکھ سہے سکھ سے نہ رہنے دیا گریاں نہ ہوئیں
خدمتی بن گئیں بی بی پہ پریشاں نہ ہوئیں
بے وفائی کی شکایت نہ کی نالاں نہ ہوئیں
رنج تا زیست سہے غم سے ہم آغوش رہیں
دکھ اٹھاتی رہیں پر ساکت و خاموش رہیں

سر سے جب ان کے اٹھا سایۂ محبوب خدا
سوگ میں باپ کے تا زیست نہ بدلا کرتا
عمر بھر سر پہ رہی ایک وہی میلی ردا
بس عبادت سے سروکار تھا یا آہ و بکا
نہ تکلم نہ تبسم نہ کچھ کہتی تھیں
بی بی ڈھانکے ہوئے منہ گھر میں پڑی رہتی تھیں

باپ کی موت کا ایسا ہوا زہراؑ پہ اثر
مرتے دم تک رہیں نالاں و پریشاں مضطر
گھر میں رونے کے سوا کام نہ تھا آٹھ پہر
شب کو آہیں تھیں گزر جاتا تھا روتے دن بھر
رفتہ رفتہ اسی حالت میں بخار آنے لگا
دن بدن پھول محمدؐ کا یہ کملانے لگا

راتیں رونے میں تو دن آہ و بکا میں گزرا
وقتِ شب فرقتِ شاہِ دوسرا میں گزرا
گزرا جو دم وہ اسی رنج و بلا میں گزرا
وقت باقی کا عباداتِ خدا میں گزرا
کبھی رونے میں کبھی آہ و بکا میں کاٹے
آخری زیست کے دن جور و جفا میں کاٹے

دن بدن مرض بڑھا خون گھٹا ضعف ہوا
باتیں کرنے میں الٹنے لگا دم حد سے سوا
رات بے چینی میں دن کرب میں سارا گزرا
آہ لب تک کبھی آئی تو کبھی غش آیا
اشک باری سے کسی وقت بھی فرصت نہ ملی
باپ کے بعد زمانہ میں طبیعت نہ لگی

کر دیا ضعف و نقاہت نے تکلم دشوار
چین دل کو کبھی ملتا تھا نہ تھا شب کو قرار
غش پہ غش آگئے کروٹ جو کبھی لی اک بار
آخرش موت کے جو ہو گئے ظاہر آثار
جمع بچوں کو کیا پند و نصیحت کے لیے
پاس حیدرؑ کو بھی بلوایا وصیت کے لیے

بولی زینبؑ سے وہ ناموسِ شہِ بدر و حنین
تجھ سے اک آخری خواہش ہے مری نورالعین
پہونچے جس وقت کہ تو کرب و بلا کے مابین
اور پاس آئے تیرے آخری رخصت کو حسینؑ
صدقہ جاؤں نہ کہا بھولیو اس وائی کا
چوم لینا مری جانب سے گلا بھائی کا

پھر کہا فخرِ امامتؑ سے کہ اے شاہِ ہدا
وقت آخر ہے مرا آپ سے ہوتی ہوں جدا
معاف کر دیجئے ہو آپ کو مجھ سے جو گلا
گر خطا کوئی ہوئی ہو تو بحل کر دینا
چاہتی ہوں کہ قیامت میں نہ روپؔوش رہوں
آپ کے حق سے بھی محشر میں سبکدوش رہوں

شہؑ نے فرمایا رضامند ہے حیدرؑ تم سے
کچھ شکایت نہیں اے بنتِ پیمبرؐ تم سے
آپ میں ہوتا ہوں محجوب سراسر تم سے
ضبط دشوار ہے زہراؑ کہوں کیوں کر تم سے
فاقے پر فاقے کیے تم نے علیؑ کے گھر میں
چکیاں پیسی ہیں خالق کے ولی کے گھر میں

کر دیا خوب ادا حقِ رفاقت تم نے
جس قدر چاہیے کی میری اطاعت تم نے
گھر میں حیدرؑ کے نہ پائی کبھی راحت تم نے
کچھ خطا کی نہیں خاتونِ قیامت تم نے
عمر بھر دُکھ سہے کیا کیا نہ اٹھائی ایذا
کسی تکلیف کا پر آپ نے شکوہ نہ کیا

فاطمہؑ تم سے نہ محجوب ہو کس طرح علیؑ
جس غریبی سے گزاری وہ نہیں کس پہ جلی
سخت ایذائیں سہیں پر نہ شکایت کبھی کی
خود پشیمان علیؑ تم سے ہے اے بنتِ علیؑ
گھر میں حیدرؑ کے سدا رنج و بلا میں گزری
حد ہے اس وقت تلک ایک ردا میں گزری

فاطمہؑ بولیں نہ اس طرح کی کیجئے گا مقال
آپ پر کب ہے چھپا اے مرے والی مرا حال
خشک وتر آپ سے مخفی ہو یہ ہے امر محال
ملتجی ہوں کہ رہے میری وصیت کا خیال
بعد میرے میرے بچوں پہ عنایت رکھنا
یہی الطاف کا شیوہ یہی شفقت رکھنا

یوں تو مظلوموں کا شبیرؑ حزیں ہے سرتاج
پر تمھیں علم ہے جس طرح کا نازک ہے مزاج
صدمہ اس کا ہے کہ زہراؑ سے یہ چھٹ جائے گا آج
بعد میرے نہ کسی شئے کا رہے یہ محتاج
اس کو دکھ ہو گا تو میں قبر میں دکھ پاؤں گی
یہ جو روئے گا تو مرقد سے نکل جاؤں گی

مرثیہ چہارم

مطلع

’’جہاں کا ورقِ زرنگار فانی ہے‘‘

بند (122)

مرثیہ

مطلع:

"جہاں کا ورقِ زرنگار فانی ہے"

بخط : روپ کنوار کماری

مرثیہ کے آخر میں

"بھن" تمام شد لکھا ہے۔

بند (122)

جہاں کا ورقِ زر نگار فانی ہے

جہاں کا ورقِ زر نگار فانی ہے
یہ زینتِ چمنِ روز گار فانی ہے
بشر کا حُسن گلوں کا سِنگار فانی ہے
خزاں پکار رہی ہے بہار فانی ہے
چمن میں ہوں گے پریشاں دماغ پھولوں کے
بجھیں گے بادِ خزاں سے چراغ پھولوں کے
یہ باغ وہ ہے نہیں جس کو ایک دم بھی بقا
پیامِ موت ہے ہر لحہ اس چمن کی ہوا
جفا وجود سے اس کے عیاں ہے رنگِ فنا
ستم کیے ہیں گلوں پر تو بلبلوں پہ جفا
وہ غنچے ہیں جو محبت کی بو نہیں رکھتے
وہ باغباں ہیں جو الفت کی خو نہیں رکھتے
یہی ہے رنگِ جہاں کل بہار آج خزاں
مقامِ بوم ہے رہتی ہے عندلیب جہاں
وہ پھول غنچۂ دل کو جو کرتے تھے خنداں
انہی کو رو رہی ہے آج بلبلِ نالاں
لگی ہے آتشِ گل بلبلوں کے سینے میں
وہ ایک پل میں چھٹے جو پلے مہینوں میں

ہمیشہ رنگ بدلتا ہے آسماں کیا کیا
خزاں نے کر دیئے ویران بوستاں کیا کیا
ملائے خاک میں گل پیرہن جواں کیا کیا
کیے ہیں آنکھوں سے غنچہ دہن نہاں کیا کیا
عجیب واقعہ ہے طرفہ کارخانے میں
وفا جہاں میں نہیں بے وفا زمانے میں
غرض کہ عالمِ فانی کا ایک حال نہیں
یہ وہ چمن ہے کہ جس میں کوئی نہال نہیں
عروج کون سا ہے وہ جسے زوال نہیں
وہ کون دل ہے کہ جس میں ذرا ملال نہیں
اسی طرح سے سدا منقلب زمانہ ہے
سمجھتے ہو جسے دنیا طلسم خانہ ہے
یہ ہے محال ہمیشہ رہے جہاں باقی
نہ گل رہیں گے نہ بلبل کا آشیاں باقی
نہ ہم رہیں گے نہ دنیا کا بوستاں باقی
نہ یہ زمین رہے گی نہ آسماں باقی
جہانِ زشت تو اک خواب کا فسانہ ہے
بقا اسی کو ہے جس کا یہ کارخانہ ہے

بقائے گلشن عالم کا اعتبار نہیں
یہ باغ وہ ہے ہمیشہ جہاں بہار نہیں
وہ کون گل ہے خزاں سے جو ہمکنار نہیں
مقامِ سیر گلستانِ روزگار نہیں
خیال و خواب ریاضِ جہان فانی ہے
بہار گلشنِ فانی کی آنی جانی ہے
سحر ہوئی تو عجب باغ میں اجالا تھا
بچھی تھی نور کی چادر چمن نرالا تھا
شجر پہ اوس نہ تھی موتیوں کا مالا تھا
پٹا گلوں سے چمن کا ہر ایک تھالا تھا
کھلی جو آنکھ عنادل نے سیرِ گل دیکھی
ہوئی جو شام تو ہستی کی شمع گل دیکھی
فنا سمجھتے ہیں دنیا کو وہ جو ہیں ہوشیار
جو دوربیں ہیں زرِ گل کو جانتے ہیں وہ خار
ہمیشہ رہتا ہے اس طرح منقلب سنسار
نہ کر حیات پہ تکیہ فنا ہے آخر کار
تجھ ایسے کتنوں کو اس نے سپردِ خاک کیا
کسی نے سانس نہ لی دفعتاً ہلاک کیا

گرا کے نظروں سے اٹھنے دیا کہاں اس نے
تباہ کر دیئے آباد خانداں اس نے
مکین کر کے بھی ویراں کئے مکاں اس نے
ملائے خاک میں کیا کیا حسیں جواں اس نے
جو انتخاب زمانہ تھے وہ حسیں نہ رہے
جو مہ لقا تھے وہ دنیا میں مہ جبیں نہ رہے

ڈبویا سیکڑوں کو اس نے قعرِ دریا میں
نکالی جان ہزاروں کی اس نے صحرا میں
نہ کعبے میں ہے اماں اس سے نہ کلیسا میں
مچایا اس نے تلاطم تمام دنیا میں
خدا کی دی ہوئی جب جان ہے تو چارہ کیا
جو چیز اپنی نہ ہو اس میں پھر اجارہ کیا

کدھر ہیں آج سلیماں ہوئی حکومت کیا
وہ تخت تاج کہاں ہیں ہوئی وہ حشمت کیا
گیا وہ ملک کدھر کو ہوئی وہ دولت کیا
کہاں ہے طبل و علم پہنچی ان کی نوبت کیا
ہزاروں خلق میں سلطاں تھے پر نشاں نہ رہا
اٹھایا بارِ الم لشکر گراں نہ رہا

جنابِ خضرؑ سے پوچھو پتہ سکندر کا
نہ تخت کا ہے نشاں اب کہیں نہ لشکر کا
پتہ نہ آئینے کا ہے نہ تاج پُر زر کا
نہ دور اب ہے ارسطو سے اہلِ جوہر کا
پکارتی ہے اجل وہ حشم گیا کہ نہیں
کدھر کو جم گیا رنگ اپنا جم گیا کہ نہیں

زمانے میں تھا لقب جن کا افصح الفصحا
فصاحت اور بلاغت کا جن کی تھا چرچا
سخن شناس سخن سنج صاحب انشاء
گیا کدھر کو فلاطوں ہوئی وہ حشمت کیا
کالم جن کے تھے شیریں وہ رشکِ فن نہ رہے
جہانِ شعر کے وہ خسرو سخن نہ رہے

بڑے بڑے ہوئے دنیا میں پہلواں پیدا
بجا تھا جن کی شجاعت کا خلق میں ڈنکا
قوی دلیر سلحشور معرکہ آرا
گئے عدم کی طرف آخرش جب آئی قضا
عیاں کتابوں سے ہے کتنے تیغ زن گزرے
اجل کی راہ سے آخر وہ اہلِ فن گزرے

پہاڑ سے جو نہ دبتے تھے وہ جواں نہ رہے
جو رشکِ رستمِ دوراں تھے پہلواں نہ رہے
کہاں کہاں وہ جہاں میں پڑے کہاں نہ رہے
جب آ گئی چمن عمر میں خزاں نہ رہے

ریاضِ فوج میں کب فتح کی بہار ہوئی
شکست کیا ہے اجل جب گلے کا ہار ہوئی

کہاں ہیں آج وہ جو مصطفیؐ کو بھولے تھے
حدیثیں یاد تھیں حکمِ خدا کو بھولے تھے
نہ دیکھا کھول کے قرآں قضا کو بھولے تھے
غضب ہے بندوں کے بندے خدا کو بھولے تھے

کہاں ہیں خنجر و شمشیر مارنے والے
کہاں حسینؑ کا سر ہیں اتارنے والے

کدھر ہے شمرِ لعیں جو ڈرا نہ داور سے
شریر نے نہ رکھا واسطہ پیمبرؐ سے
گلا حسینؑ کا کاٹا شقی نے خنجر سے
اتاری زینبؑ و کلثومؑ کی ردا سر سے

فشارِ قبر کا اس نے نہ کچھ خیال کیا
کہ لاشۂ شہِ ذی جاہ پائمال کیا

انہیں شریروں نے باغِ علیؑ کو لوٹ لیا
نہ ابنِ ساقیٔ کوثر کو آب نہر دیا
اٹھایا اس کا مزا جب اجل کا جام پیا
نہیں جہاں کو بقا کس نے اس کا دھیان رکھا

یہاں جو رہتے ہیں پابندِ عیش غافل ہیں
نہ اس کے دام میں آئیں گے وہ جو عاقل ہیں

جگہ جگہ ہیں جفائے جہاں کے افسانے
اسی کا کرتے ہیں ذکر اپنے اور بیگانے
بنائے سیکڑوں مجنوں ہزاروں دیوانے
پتہ نہیں ہے گئے کس طرف خدا جانے

عروجِ قیس نہ لیلیٰ کا اوجِ محمل ہے
نہ اب وہ آہ و فغاں ہے نہ نالۂ دل سے

سرورِ عیش کا ساماں جو ہے بہم کیا ہے
یہ ملک و مال ہے کیا لشکر و علم کیا ہے
یہ تخت و تاج ہے کیا حشم خدم کیا ہے
کوئی بھی جانتا ہے اب کہ جامِ جم کیا ہے

کریں جو یاں کی حکومت پہ فخر ناداں ہیں
اجل کے بعد امیر و فقیر یکساں ہیں

گدا و شاہ کو پیوندِ خاک ہونا ہے
اندھیری قبر میں دونوں کو جا کے سونا ہے
نہ صحن ہے نہ مکاں صرف تنگ کونا ہے
کفن لباس ہے فرشِ زمیں بچھونا ہے

نہ کوئی صاحبِ دوراں نہ بارگاہ کوئی
نہ تاج و تخت وہاں ہے نہ ہے سپاہ کوئی

بہار آج ہے سنسار میں تو کل ہے خزاں
وہ اب کہاں ہیں جو تھے ملک و مال پہ نازاں
کوئی رہے گا ہمیشہ نہ درمیانِ جہاں
مکان کل جو تھے آباد آج ہیں ویراں

نہ ہے نشان فریدوں نہ کروفر اس کا
نہ اب جہاں میں ہے قاروں نہ مال و زر اس کا

کوئی بھی ہو نہ کرے اپنے مال و زر پہ غرور
کہ ہو گا بس وہی بھگوان کو جو ہے منظور
جہاں میں سب کے لیے ایک دن ہے موت ضرور
کہاں ہے حشمتِ جمشید اور کہاں فغفور

نہیں جہان میں ان کا نشاں تلک باقی
رہیں نہ زیرِ زمیں ہڈیاں تلک باقی

نہ اپنے ذہن میں لائے کبھی یہ کوئی بشر
کہ ہم ہیں صاحبِ زر کیا ہمیں کسی کا ضرر
اجل ضرور ہے رکھے ہمیشہ مدِ نظر
کرے نہ خلق پہ سختی چلے نہ بانیِ شر

جہاں میں بندۂ پروردگار بن کے رہے
زمین پہ جھک کے چلے خاکسار بن کے رہے

کسی کے ساتھ جہاں میں کبھی دغا نہ کرے
یزید سا کوئی بے رحم ہو خدا نہ کرے
بشر کو چاہیے بیمار پہ جفا نہ کرے
شریف پردہ نشینوں کو بے حیا نہ کرے

جو بے غذا ہو تو توڑے کبھی نہ اس کی آس
اگر ہو کوئی پیاسا بجھائے اس کی پیاس

وطن سے دور جو ہووے کبھی نہ ان اس کو ستائے
جو میہمان ہو اپنا نہ اس کے دل کو دکھائے
ستم کا تیر گلوئے صغیر پہ نہ لگائے
جو تین دن کا ہو پیاسا نہ خون اس کا بہائے

کوئی بھی ہو نہ جفا سے اُسے حلال کرے
کسی کی لاش نہ گھوڑوں سے پائمال کرے

یہ سخت عیب ہے دل کو بنائے جو پتھر
بہن کے سامنے پھیرے نہ بھائی پر خنجر
کبھی اٹھائے نہ دستِ ستم یتیموں پر
کبھی نہ آگ سے پھونکے کسی غریب کا گھر
کرے گریز دلِ افگار کے ستانے سے
ڈرے ہمیشہ مشیت کے تازیانے سے

نگاہ چاہئے روشن ہے ماہ و مہر کا حال
رہیں گے مشرق و مغرب نہ یہ جنوب و شمال
یہ ثوابت وسیار کی سمجھ لو مثال
کہ جیسے آنکھ میں آنسو ہو جن کے چہرے کا حال
زمیں کا فرش نہ یہ چرخ کا محل ہو گا
چراغِ مہر نہ ماہتاب کا کنول ہو گا

عبث غرور ہے دو دن کے جاہ پر ہوشیار
نگاہ چاہئے قہر الٰہ پر ہوشیار
نہ ناز چاہئے بے حد سپاہ پر ہوشیار
اب آنکھ کھول نہ ہو شاہراہ پر ہوشیار
خدا جو ہوش دے سودائے سیم و زر کیا ہے
جو سر کو ٹھوکریں کھانا پڑیں وہ سر کیا ہے

رسولؐ باعثِ ایجادِ خلق شاہ ہُدا
زمین و چرخ کی پشت و پناہ صلِ علا
حبیب خالقِ یکتا جنابِ خیر الورا
قرآں میں کی ہے خدا نے بھی جس کی مدح وثنا
جہاں نے کب دلِ محبوب حق کو شاد کیا
جبھی خدا نے حضوری میں اپنی یاد کیا

مآل سے نہ ہو غفلت اگر ہو تم ہوشیار
یہ نیند موت سے بدتر ہے دل رکھو بیدار
یہی ہے خوب رہے توشۂ سفر تیار
ہزار گنج ہوں پھر آخرش ہیں سب بیکار
خزانے یاں سے نہ واں ساتھ لے کے جاؤ گے
لحد میں جا کے سب ہاتھوں کو خالی پاؤ گے

یہ بے ثبات ہے جس کا جہاں میں عمر ہے نام
کہ ایک نفس ہے مثلِ حباب کام تمام
کبھی نہ خوش رہے دنیا میں اولیائے کرام
ملال اس کی سحر ہے بلا ہے اس کی شام
یہ ہے وہ دارِ فنا جس میں انبیاء نہ رہے
نصیحتیں تو رہیں خاصۂ خدا نہ رہے

ہزار سختیاں گر ہوں تو کچھ نہیں پروا
بشر کو چاہیے فکر اپنی عاقبت کی سدا
وہ حق کا بندہ ہے بندہ نہیں جو دنیا کا
جو اس کا بندہ ہے وہ زر کو جانتا ہے خدا
خیال و خواب پہ دنیا کی زندگانی ہے
جسے نہیں ہے بقا یہ وہ بزم فانی ہے

وہ باخبر ہے جو لے راہ آخرت کی خبر
یہاں سے جانا ہے اس سے نہیں کسی کو مفر
بشر نظر نہ کرے اپنی جاہ دنیا پر
سمجھ لے خوب یہ منزل ہے جائے خوف وخطر
جو چاہتے ہو کہ راحت اٹھائیں عقبیٰ میں
کرو حصول کی اس کے نہ فکر دنیا میں

اسی میں خیر ہے دنیا کو بے وفا جانو
نہ کیمیا کے لیے خاک در بدر چھانو
حواس میں رہو کیا کر رہے ہو دیوانو
بتوں کو چھوڑ دو اب بت شکن کو پہچانو
جو مانگنا ہے شہہ مشرقین سے مانگو
خدا سے پاؤ گے لیکن حسینؑ سے مانگو

یہ ہیں خدا کی خدائی کے مالک و مختار
خدا کے بعد اگر ہے تو سب یہی سرکار
انہیں نہ راہِ خدا میں لٹا دیا گھر بار
انہیں نے عالمِ زر میں اٹھایا تھا وہ بار
جو اوصیا سے اٹھا اور نہ انبیاءؑ سے اٹھا
وہ اس نواسۂ محبوبؐ کبریا سے اٹھا

اسی کی وعدہ وفائی کو کربلا آئے
یہیں پہ جوہرِ صبر و رضا ہیں دکھلائے
اسی کے واسطے اہلِ حرم کو تھے لائے
بھتیجے بھانجے بیٹے یہیں پہ کٹوائے
عجیب کرب و بلا نے شرف یہ پایا ہے
کہ اس نے آپ کو آغوش میں سلایا ہے

جبھی تو ہمسرِ عرشِ علیٰ ہوئی یہ زمیں
جبھی تو خلدِ بریں سے سوا ہوئی یہ زمیں
جبھی تو دنیا میں خاکِ شفا ہوئی یہ زمیں
جبھی تو مخزنِ نورِ خدا ہوئی یہ زمیں
اس ارضِ پاک کے رتبوں کو کوئی کیا جانے
رسولؐ جانتے ہیں یا اسے خدا جانے

خوشا نصیب اگر کربلا میں ہو تربت
تو سمجھوں دنیا ہی میں مجھ کو مل گئی جنت
جہاں فشار نہ مطلق حساب سے فرصت
عذاب کیسا یہاں تو ہے سایۂ رحمت

گناہ گار کو جو دل کا مدعا مل جائے
ملے خدا جو کہیں ارض کربلا مل جائے

خدا نے اس کو عجب مرتبہ کیا ہے عطا
کہ بادشاہوں سے افضل ہیں اس زمیں کے گدا
بروزِ حشر بنے گی یہ تاجِ عرشِ علا
بھرا ہے دولتِ ایماں سے دامنِ صحرا

جہاں میں گنجِ شہیداں کے ہیں شرف کیا کیا
اس ارضِ پاک نے پائے دُرِ نجف کیا کیا

ہر ایک سمت برستی ہے رحمتِ یزداں
نگر ہیں روضۂ سبطِ رسولؐ پہ قرباں
جہاں ہے حیدرِ کرارؑ کا مہ تاباں
عجیب نور کی مٹی ہے کیا ہو وصف بیاں

وہ خاک پاک کہ جس پر حسینؑ سوتے ہیں
فلک سے آ کے ملک اس زمین پہ روتے ہیں

اسی زمیں پہ ہوئے قتل شاہِ جن و بشر
شہید ہو گئے عباسؑ و اکبرؑ و اصغرؑ
جلایا ناریوں نے خیمۂ شہہ اطہر
اسی زمین پہ زینبؑ ہوئیں برہنہ سر

ہوئے عزیزوں کے ماتم میں نوحہ گر سجادؑ
اسی زمیں پہ ہوئے آہ بے پدر سجادؑ

خزاں نے لوٹ لیا اس میں ہاشمی گلزار
پڑے تھے خاک پہ گلہائے احمدِ مختار
ہوئی تباہ شہنشاہِ وقت کی سرکار
اجل نے کر دیا خالی حسینؑ کا دربار

سحر کو تو درِ دولت پہ لاکھ ساماں تھے
دمِ زوال اکیلے امامؑ ذی شاں تھے

اسی طرح پہ روایت ہے واردِ اخبار
ہوئے جو راہیِ جنت حسینؑ کے انصار
عزیز چھٹ گئے روئے امامؑ عرش وقار
رکاب میں تھا نہ مظلوم کی کوئی غمخوار

وفورِ رنج سے تھراتا جسم اقدس تھا
نہ فوج تھی نہ علمدارِ شاہِ بیکس تھا

کبھی فراق میں بھائی کے شاہ تھے گریاں
کمر کو تھامے ہوئے تھے کھڑے شہۂ ذیشاں
عجیب کرب کے عالم میں کر رہے تھے بیاں
کدھر ہوا ہے علیؑ اکبر تمہیں میں ڈھونڈوں کہاں
کمر تو توڑ گیا شیر مرتضیٰ میری
تمہارے ہجر میں نور آنکھوں کا گیا میری

کہاں ہو عونؑ و محمدؑ بہن کے نورِ نظر
کدھر ہو قاسمِ ذیشاں حسنؑ کے لختِ جگر
کہاں ہو ابنِ مظاہر تمہیں میں ڈھونڈوں کدھر
زہیرِ قین کہاں ہیں نہیں کچھ ان کی خبر
ہزار رنج و الم ہیں بس ایک جاں کے لیے
جہاں میں اب کوئی گوشہ نہیں اماں کے لیے

اٹھو کہ سوؤ گے کب تک حسینؑ تم پہ نثار
یہ خواب کیسا ہے ہوتے نہیں جو تم بیدار
اجاڑ ہو گیا اک دم میں ہاشمی گلزار
پڑے ہیں خاک پہ مرجھائے میرے گل رخسار
کرو غریب کی نصرت دلاورو اٹھو
امامِ بیکس و تنہا کے یاورو اٹھو

سنو کہ آلِ پیمبرؐ سلام لو میرا
خصوص زینبؑ غمگیں اسیر رنج و بلا
وغا کو جاتا ہے مقتل میں بیکس و تنہا
سلام تجھ پہ ہو فضہ کنیز خیر النساء
علیؑ و فاطمہؑ زہرا و مصطفیٰ حافظ
خدا کے پاس میں جاتا ہوں لو خدا حافظ

لکھا ہے راوی صادق نے حال شاہ ہدا
روانہ خیمے کو حضرت ہوئے بہ آہ و بکا
جو پہنچے روتے ہوئے در پہ سید الشہدا
کیا خیام میں اہلِ حرم نے حشر بپا
پکارے سبطِ نبیؐ تھام کر جگر اپنا
وداع کر لو کہ دنیا سے ہے سفر اپنا

حسینؑ کہتے تھے مقتل میں یہ بآہ و بکا
بھتیجے بھائی ہوئے سب شہید راہِ خدا
پڑے تھے خاک پہ غمخوار سیدِ والا
امامؑ عصر پہ نرغہ تھا فوجِ اظلم کا
تباہ ہو گیا یثرب کا شاہ مقتل میں
قیامت آئی خدا کی پناہ مقتل میں

سنی حرم نے جو آوازِ سیّدِ اطہر
درِ خیام پہ سب آئے روتے ننگے سر
کھڑے تھے شاہِ زمن مستعد شہادت پر
امام زادیوں کا حال ہو بیاں کیونکر
لپٹ گئی کوئی مظلومہ آ کے دامن سے
کوئی تھی لپٹی ہوئی گر کے پائے توسن سے

کہا یہ زینبؑ بیکس نے کیا ارادہ ہے
فدا ہوں آپ پہ اس دم قلق زیادہ ہے
کوئی سوار جلو میں نہ اب پیادہ ہے
کہا حسینؑ نے جنّت کا در کشادہ ہے
نہ اکبرؑ اب ہے نہ عباسؑ با وفا باقی
فقط ہے گردن و خنجر کا مرحلہ باقی

چلے گی اب مری گردن پہ شمر کی تلوار
خیام اہلِ حرم کو جلائیں گے اشرار
تبرکاتِ نبیؐ لوٹیں گے یہ بد کردار
اسیرِ فوجِ ستم ہو گا عابدؑ بیمار
لحد میں روحِ علیؑ و بتولؑ روئے گی
قریب ہے کہ سکینہؑ یتیم ہوئے گی

اتارا گھوڑے سے اہلِ حرم نے آخر کار
گئے خیام میں رخصت ہوئے شہہ ابرار
حضور نکلے تو فوجِ ظفر ہوئی تیار
سوارِ دوشِ نبیؐ رخش پر ہوا اسوار
فرس پہ وجد کے عالم میں جھومتی تھی عناں
ادب سے کانپتا ہاتھ اٹھ کے چومتی تھی عناں

ہوا جہان میں شہرہ جناں کا شاہ چلا
ستارے چھوڑ کے برجِ شرف سے ماہ چلا
مقابلے کو لعینوں کے دیں پناہ چلا
علیؑ کا شیر ژیاں سوئے رزم گاہ چلا
دماغِ شاہ میں فردوس کی شمیم آئی
سواری دیکھنے کو خلد کی نسیم آئی

یہ غل تھا گلشنِ فتح و ظفر میں آئی بہار
صبا کی طرح چلا راہوارِ خوش رفتار
مثالِ نکہتِ گل اس پہ سیّدِ ابرار
ندا دی بڑھ کے یہ اک بار اہل کیں ہوشیار
...... چلا جاتا ہے شاہ عالم کا
بڑھا ہے پھر ...... کے ضیغم کا

ہلالِ برج امامت چراغِ راہِ جناں
انہیں کے در کا ہے اک ذرہ یہ مہ تاباں
فروغِ عرشِ معلی ضیائے کون و مکاں
جگر نبیؐ کا امامِ زماں خدا کی زباں
وہ چمکی راہ کہ زہراؑ کے نور عین آئے
سلاح جنگ سے آراستہ حسینؑ آئے
پدر ہیں آپ کے بازوئے مصطفیٰؐ حیدر
خدا کے دست زبردست ساقیِ کوثر
کنندۂ درِ خیبر امامِ جن و بشر
علیؑ ولی خدا جانشینِ پیغمبرؐ
انہیں کے گھر پہ ہوا خاتمہ نبوت کا
انہیں سے سلسلہ جاری ہوا امامت کا
گواہ دونوں جہاں ہیں جہاں کی جاں ہیں یہ
ضیاء و مہر و قمر نورِ آسماں ہیں یہ
بہارِ خلد بریں زینتِ جہاں ہیں یہ
مسیح بھرتے ہیں دم عیسیٔ زماں ہیں یہ
خدا کی شان انھیں شانِ مرتضیٰؑ کہیے
نبیؐ کی طرح ہی اعجازِ انبیاء کہیے

کریں ہیں ذرے کو انجم وہ مہر انور ہیں
خدا کا دین ہے آئینہ اور یہ جوہر ہیں
نہالِ باغ رسالت کے یہ گلِ تر ہیں
یہ تشنہ لب ہیں مگر آبروئے کوثر ہیں
ظفر بہ مثل علیؑ اختیار رکھتے ہیں
کہ قبضے میں یہ وہی ذوالفقار رکھتے ہیں
علیؑ کا شیر ہے روبا ہو رزم پر مائل
جسے ہو حوصلۂ جنگ آکے ہو حائل
یہ سچ ہے ضعف بہت ہے ہم اس کے ہیں قائل
مجال ہے کہ امامت کا زور ہو زائل
امامِ عصر شہِ مشرقین آ پہنچے
خبر لو جلد شریرو حسینؑ آ پہنچے
ہوئے جو واردِ مقتل امامؑ ہر دوسرا
خطاب کر کے لعینوں سے شاہِ دیں نے کہا
نبیؐ کا پاس ہے تم کو نہ کچھ ہے خوفِ خدا
بتاؤ کون سی آلِ نبیؐ نے کی ہے خطا
غضب ہے ہوں شہِ لولاک کے حرم پیاسے
فراتِ فاطمہؑ کا مہر اور ہم پیاسے

زبانِ شاہ سے لشکر نے جب سنے یہ کلام
کہا یہ شمر نے بڑھ کر کے اے امامِ انامؑ
کرو یزید کی بیعت تو پاؤ گے آرام
ابھی ہم آپ کو پانی پلائیں لائیں طعام
بس ایک بات میں طے سارا مرحلہ ہو جائے
ہمارے آپ کے دم بھر میں فیصلہ ہو جائے

کہا حسینؑ نے استغفر اللہ اے مکار
سخن فریب کے کرتا ہے مجھ سے بدکردار
خدا کی شان ہوں میں دینِ کبریا پکار
نظر سے جنگ بھی دیکھے گا جب کھینچے تلوار
امام کون و مکاں اور یزید کی بیعت
رسول حق کا پسر اور پلید کی بیعت

بڑھے یہ سنتے ہی دس پندرہ ہزار اظلم
کمانیں کھینچ گئیں برسائے شہؑ پہ تیر ستم
سنیں حسینؑ کا اعجاز صاحبِ ماتم
خود اپنے تیروں سے اہلِ خطا ہوئے بے دم
یہ معجزہ تھا نہ حضرتؑ کے جسم پر آئے
پلٹ کے سحر کی صورت انہیں میں در آئے

چلا ہے بہرِ وغا تیرا دلربا ساقی
وہ جام دے کہ بڑھے دل کا حوصلہ ساقی
بغیر مے کے پیے مجھ سے ہو گا کیا ساقی
وغا امامؑ کی کیونکر لکھوں بتا ساقی
جمہائی آتی ہے اور جسم ٹوٹا جاتا ہے
قلم بھی ہاتھ سے لے دیکھ چھوٹا جاتا ہے

مدد کا وقت ہے اے مرے دلبرا ساقی
پلا کے جام بڑھا قوتِ وغا ساقی
چلا ہے تیغ بکف ابنِ مرتضیٰؑ ساقی
کھنچے وغا کا مرقع تو ہے مزا ساقی
وہ ساغر آج عطا ہو کہ جوش بڑھ جائے
جسے وہ رنگ دلِ بادہ نوش بڑھ جائے

کدھر ہے اے میرے رنگیں مزاج گل اندام
پلا دے ساقیِ کوثر کے نام پر اک جام
رہے بہار مرے گلشنِ سخن میں مدام
رقم ہو مستوں کی فہرست میں مرا بھی نام
مزا زبان پہ ہو رنگ سرور آنکھوں میں
سمائے ساقیِ کوثر کا نور آنکھوں میں

وہ حملہ ور ہوا ضرغامِ حیدرِ کرار
وہ چمکی تیغ وہ پہنچا سپاہ میں رہوار
وہ نکلا خیمہ سے گھبرا کے افسرِ کفار
وہ دیکھو فتنۂ خوابیدہ ہو گیا بیدار
پکارتے ہیں عدو برقِ شعلہ بار چلی
ہمارا زور چلے کیا کہ ذوالفقار چلی

پڑی سپاہ میں ہل چل بڑے ہوئے ابتر
صفیں تھیں صاف رسالے لہو میں ہو گئے تر
ہوا نہ تیغِ دوسر سے کوئی لعیں سر بر
چلی حسام زمیں پر گرے ہزاروں سر
سفر کو غول سپاہ عدو کے جانے لگے
ہوائے مرگ کے مقتل میں جھونکے آنے لگے

چمک کے خرمنِ عمرِ عدو جلانے لگی
مثالِ صاعقۂ رن میں تڑپ دکھانے لگی
ستم کی فوج میں طوفانِ غم اٹھانے لگی
نہ ابھرے فوج کے بیڑے لہو بہانے لگی
نثار برق جہندہ تھی تابدار ایسی
دلِ اہلِ نار کے تھے آب آبدار ایسی

پری کے ہوش اڑیں جس سے وہ ادا اس کی
کھلی جو راہِ عدم بندھ گئی ہوا اس کی
عجیب غمزے تھے عاشق ہوئی قضا اس کی
وہاں بھی کرنے لگے سب رقم ثنا اس کی
سمائی سر میں کسی کے خیال کی صورت
نہاں تھی دل میں کسی کے ہلال کی صورت

یہ غل تھا کرب و بلا میں اسے بلا کہیے
کہ دشتِ غم کی سلگتی ہوئی ہوا کہیے
ہے عقل ششدر و حیراں کہ اس کو کیا کہیے
ہزار بات کی اک بات ہے قضا کہیے
چھری تھی موت کی بے شک وہ مرغِ جاں کے لیے
دہکتی آگ ہوئی ماہیِ زباں کے لیے

کلائی کاٹی کسی کی کسی کا سر کاٹا
سمائی آنکھوں میں جب رشتۂ نظر کاٹا
رگوں کا خون پیا سینے میں جگر کاٹا
دلِ شریر کو مثلِ خیارِ تر کاٹا
بدن زمیں پہ گرائی اڑا کے سر توڑے
شجر کے تیغ نے ٹکڑے کیے ثمر توڑے

سروں پہ ناریوں کے آئی یا بلا پہنچی
عدو کے کان میں وہ صورتِ صدا پہنچی
دہل کے سینے جلا بادل قضا پہنچی
صفیں زمیں پہ ہوئیں فرش جب وہ آ پہنچی
کبھی نکل گئی آنکھوں سے وہ نظر کی طرح
دہن سے نکلی کبھی آہ پُر شرر کی طرح

لگا تھا قلعۂ لشکر میں کشتوں کا انبار
قضا کی دھوم تھی تھا گرم موت کا بازار
سروں پہ چل رہی تھی تیغِ حیدرِ کرار
ردائے خاک سے منہ کو چھپائے تھے اسوار
پڑے تھے جسم زمیں پر ستم شعاروں کے
قدم سمندوں کے تھے سر پہ شہسواروں کے

چمک کے خود پہ آئی جدا کیا سر کو
زرہ کو ڈھال کو چار آئینہ کو بکتر کو
صفوں کو صاف کیا الٹا قلبِ لشکر کو
قلم علم کو کیا اور بے سرافسر کو
ہر اک کا ٹوٹ گیا دل اجل دو چار ہوئی
چمک کے رہ گئے شیشے جو شعلہ بار ہوئی

عجیب شان سے مقتل میں تھی وہ تیغ رواں
شرارے وہ تھے کہ بجلی بھی مانگتی تھی اماں
لپک جو اس میں تھی شعلے میں وہ لپک ہے کہاں
اڑا کے ہوش عدو کے جلایا خرمنِ جاں
ہوا یہ شور کے قبضے میں کوئی دلبر ہے
تڑپنے میں کسی عاشق کا قلبِ مضطر ہے

سوار آ نہ سکے منہ پہ برچھیاں تانے
بہادر فوج کے لوہا تھے تیغ کا مانے
تجلی وہ تھی کہ جوہر کے دل تھے دیوانے
چراغ بیچ میں چاروں طرف تھے پروانے
ہزار رنگ فلک کی طرح بدلتی تھی
بپا تھا حشر قیامت کی چال چلتی تھی

کلیجے فوج کے تلوار نے فگار کیے
کوئی نہ جم کے لڑا مشورے ہزار کیے
جگر کو چھیڑ کے دل اس نے بے قرار کیے
نہ ابنِ سعد کو چارہ تھا بن فرار کیے
عدو نے کر دیا خیمے کو دفعتاً خالی
کہ جیسے روح نکل کر کرے بدن خالی

صدا یہ دے رہی تھی موت ظالمو ہوشیار
خدا کا قہر ہے نازل کرو تم استغفار
ہر ایک وار کو سمجھو خدا کے ہاتھ کا وار
وہی ہے زور وہی ضرب ہے وہی تلوار
کرے جو قصد اڑے فوج ایک ضربت میں
اجل رہی ہے ہمیشہ اسی کی صحبت میں

ہوا کی سانس کی تیغِ کج ادا نہ رکی
سرِ اہلِ نام کے اڑتے رہے ہوا نہ رکی
عدو کی روح تصدق ہوئی بلا نہ رکی
اجل تو تھک کے رکی ثانی قضا نہ رکی
بغیر جان لیے سر پہ کب وہ جا کے ٹلی
مثل یہ سچ ہے کہیں موت بھی ہے آگے ٹلی

جدھر اشارہ کیا تیغ نہ چلا رہوار
جہاں نورد سبک سیر بادپا رہوار
امامِ عصر کا طالعِ رسولؐ کا رہوار
سوارِ شانِ خدا قدرت خدا رہوار
نثار ہوں پرِ جبریل تیز پا ایسا
دماغ عرشِ معلی پہ تھا رسا ایسا

نبیؐ کے پیارے کا پیارا مزاج داں رہوار
گراں رکاب صبادم سبک عناں رہوار
سوارِ نیّرِ اعظم تھا الاماں رہوار
عدو تھے خاک جو گرمایا ناگہاں رہوار
جلایا نعل سے چنگاریاں جہاں جھاڑیں
سمایا چشمِ عدو میں جو پتلیاں جھاڑیں

غزالِ خلد کی آنکھیں تھیں حور کا چہرا
کنوتیاں وہ دل آویز نور کا مکھڑا
وہ پیاری شکل کہ جس پہ براق ہو شیدا
وہ جوڑ بند خدا داد قدرتی نقشا
بیاں مراتبِ اعلیٰ ہوں کیا کہ وہ کیا تھا
سوارِ دوشِ نبیؐ تھا سوار ایسا تھا

شرر میں دیکھی یہ شوخی نہ شعلے میں یہ لپک
نظر میں چڑھ نہیں سکتی ہے برق کی بھی چمک
چھپا نگاہوں سے دکھلا کے اک نرالی جھجک
کلامِ اوجِ سخنداں درست ہے بیشک
کہاں اڑا ہوا پارہ گیا خدا جانے
کدھر کو ٹوٹ کے تارہ گیا خدا جانے

چمکتا پھرتا تھا ہر سمت بادِ پا رن میں
تھی اس کے نعلوں میں پھیلی ہوئی ضیا رن میں
ادھر سے چاند بنا ماسوا گیا رن میں
ادھر سے بدر دکھاتا ہوا پھرا رن میں
مزاج واں ہے نہیں کام تازیانے کا
خطا معاف نہ لو نام تازیانے کا

یہ تازیانہ ہے تارِ نفس نہ تارِ نظر
لکیر ہاتھ کی کیسی گیا خیال کدھر
صبا ہو دنگ جو ہو صحنِ بوستاں میں گزر
مجال کیا ہے کہ تحریک کر سکے صرصر
سمندِ صحن میں گلشن کے جب روانہ ہوا
تو جنبشِ رگِ گل اس کو تازیانہ ہوا

نہ اس کو سایہ شمشیر تازیانہ ہے
نہ عکسِ زلف گرہ گیر تازیانہ ہے
کرن کی اس کو نہ تنویر تازیانہ ہے
نہ اس کو سرمہ کی تحریر تازیانہ ہے
بس اس کو ابروئے شبیرؑ تازیانہ ہے
خود اس کا تارِ نفس اس کو تازیانہ ہے

وہ دوڑ دھوپ دکھائی بپا ہوا محشر
غبار دشت سے خاکی تھا گنبدِ اخضر
صفیں الٹنے لگیں مورچے ہوئے ابتر
سموں کی ٹھوکریں تھیں اور عدو کا کاسۂ سر
گماں ہے سرعتِ رفتار میں زیادہ تھا
صفوں پہ جانے میں راکب کا وہ ارادہ تھا

وہ تیغِ تیز کا حسن اور وہ بادپا کا جمال
کہاں جواب تھا اس کا کہاں تھی اس کی مثال
عجب تھی اس کی روانی غضب تھی اس کی چال
ہنر تھا اس کا ہویدا عیاں تھا اس کا کمال
چمک میں اس کو اگر برقِ آسماں کہیے
تو پھر لپک میں اسے مرگِ ناگہاں کہیے

سمِ فرس کی صدا اور وہ تیغ کی جھنکار
رواں تھا رخشِ علم سیفِ حیدرؑ کرار
سوار لوٹتے تھے بھاگے جاتے تھے رہوار
کہیں سپر تھی سیہ کاروں کی کہیں تلوار
اجل کی ہچکیاں اہلِ جفا کی آتی تھی
پڑے تھے خاک پہ تن روحیں بھاگی جاتی تھیں

یہ رن میں دھوم تھی محشر کے دیکھو ساماں ہیں
حواسِ خمسہ کی صورت عدو پریشاں ہیں
کمانیں کانپتی ہیں مضطرب بدایاں ہیں
خطا پہ ہیں قدر انداز ہوش پراں ہیں
اڑے ہیں ڈر کے حواس اب نہ رن میں اتریں گے
یہ مرغ تیر کسی اور بن میں اتریں گے

وفور خوف سے جاں لے کے بھاگے بد اختر
مثالِ ریگ رواں منتشر ہوا لشکر
پرے الٹ گئے ابتر ہوئیں صفیں یکسر
حسینؑ پیاسے ہیں تھا زورِ ساقیِ کوثر
ہوا ہر ایک ثنا خواں امامِ رہبر کا
دکھایا کھینچ کے نقشہ جہاد حیدرؑ کا

کہاں کہاں نہ لڑے نفسِ مصطفیٰ حیدرؑ
اسی حسام دو پیکر سے معرکے ہوئے سر
حنین و بدر و احد جنگِ خندق و خیبر
مگر نہ پیاسے تھے واللہ ساقیِ کوثر
نہ داغ دل پہ تھا عباسؑ سے برادر کا
جدا ہوا تھا نہ ان سے پسر برابر کا

کھڑے تھے لاکھوں میں تنہا نہ حیدرؑ کرار
نہ تھے وغا میں نگہبان عترتِ اطہار
سنا نہیں کہ پسر ساتھ ہو کوئی بیمار
کہاں حسام سے بچے کی قبر کی تیار
ہوا تھا تیر سے بے جاں نہ شیر خوار کوئی
نہ روتا آیا مکاں سے شتر سوار کوئی

جہاں کو خالق عالم نے جیسے خلق کیا
کسی زمیں پہ کبھی اس طرح کا رن نہ پڑا
ہوا تھا خون سے رنگین دشت کرب و بلا
ہزار حیف غریب الوطن پہ تھی یہ جفا
کیا نہ خوفِ خدا بے گناہ کو مارا
رلا رلا کے لعینوں نے شاہؑ کو مارا

بیان کرتا ہے راوی کہ جب نہ تھے حضرت
عدو کی فوج فراری کو مل گئی مہلت
مثالِ مور و ملخ ہو گئی وہی کثرت
وہی بلا تھی وہی حشر تھی وہی آفت
سمٹ کے شام کا لشکر پھر آگیا ہے ہے
سحاب ظلم شہہؑ دیں پہ چھا گیا ہے ہے

کمانیں کھنچ گئیں نیزے اٹھے بڑھا لشکر
شہید کرنے کو بیکس کے آئے بد اختر
گلا تھا ایک شہِ دیں کا سیکڑوں خنجر
خدا کی یاد میں سر کو جھکائے تھے سرور

اٹھا کے گھوڑوں کو نیزہ بکف سوار بڑھے
پیادے کھینچے ہوئے تیغِ آبدار بڑھے

عجب بلا میں تھے سبطِ علیؑ امامِ امم
پڑے تھے گنجِ شہیداں میں اقربا بے دم
کوئی کرے گا نہ مہماں پہ یہ جور و ستم
ہٹے نہ شاہ کے پرجادۂ رضا سے قدم

خیالِ وعدہ وفائی میں سر جھکائے ہوئے
کھڑے تھے ابنِ علیؑ خون میں نہائے ہوئے

علیؑ کے لال پہ چلنے لگے ہزاروں وار
صفوں میں ابرِ کرم پر تھی تیروں کی بوچھار
وہ پھول سا تنِ نازک وہ نیزۂ خونخوار
ستونِ کعبۂ دیں کو گراتے تھے غدّار

سنان و تیغ سے خوں فوج کیں بہانے لگی
نبیؐ کے رونے کی آواز رن میں آنے لگی

زمین ہلتی تھی اور چرخ پر تھا حشر بپا
زمانہ درہم و برہم تھا مضطرب تھی ہوا
جھکا تھا زینِ فرس پر سرِ امامِ ہدا
سوائے بے کسی و یاس کوئی پاس نہ تھا

خدا سے کہتے تھے کچھ اور روتے جاتے تھے
بڑھا تھا ضعف تو گھوڑے پہ ڈگمگاتے تھے

علیؑ کے پھول کو گھیرے ہوئے تھے سیکڑوں خار
نہالِ باغِ امامت کی لٹ رہی تھی بہار
خدا کے نور پہ نرغہ کیے تھا لشکرِ نار
لعیں بجھا رہے تھے مصطفیٰؐ کی شمعِ مزار

چہار سمت سے ڈھالوں کا ابر چھایا تھا
گہن میں بُرجِ امامت کا ماہ آیا تھا

اکیلے لاکھوں کے مجمع میں تھے شہِ دلگیر
کسے ہٹائیں کسے روکے کیا کریں شبیرؑ
فرس کی باگ چھٹی وقت آگیا ہے اخیر
پیامِ مرگ سناتے ہیں آکے نیزہ و تیر

گلے میں زخم کو کاری تن شہِ دیں پر
حضور تھم نہیں سکتے ہیں خانۂ زیں پر

عجیب حال ہے زخموں سے ابنِ حیدرؑ کا
ٹپک رہا ہے لہو شہؑ کے جسمِ اطہر کا
سناں کی نوکوں سے چھدتا ہے قلب سرورؑ کا
مباح سمجھے ہیں خوں فاطمہؑ کے دلبر کا
غضب ہے پیچ ہیں لٹکے ہوئے عمامے کے
لباس خوں کا ہے پرزے ہوئے ہیں جامے کے

مقامِ سجدہ پہ آکر جو ایک تیر لگا
تڑپ گئے اسے صدمے سے زین پر مولاؑ
پسینہ موت کا آیا جبیں پہ واویلا
قدم سے نکلیں رکابیں جھکے شہؑ والا
قیامت آگئی تربت میں مصطفیٰؐ تڑپے
زمیں پہ گھوڑے سے گر کر شہِؑ ہدا تڑپے

علیؑ و احمدؐ و زہراؑ کے نور عین گرے
فلک پہ پیٹ کے قدسی بشور و شین گرے
پکاری بنتِ علیؑ شاہِ مشرقین گرے
ارے غضب ہوا بھائی مرے حسینؑ گرے
زمیں پہ مہرِ مبیں ظلمِ اہل کیں سے گرا
چراغ بجھتا ہوا دیں کا اوج زیں سے گرا

زمیں پہ گر کے تڑپنے لگے امامِ ہدا
بلایا نالوں نے خیرالنساؑ کے عرشِ خدا
چبھے جو سینے میں پیکاں تو اور کرب ہوا
حسینؑ نے کئی ساعت اٹھائی یہ ایذا
زمیں لرز گئی افلاق بے قرار ہوئے
وہ تیر سینے میں گڑ گڑ کے دل کے پار ہوئے

بڑھا لیے ہوئے خنجر کو شمرِ بداختر
لحد سے فاطمہؑ نکلیں سنبھالے قلب و جگر
فرشتے آئے فلک سے زمیں پہ ننگے سر
سرہانے بیٹے کے بیٹھے برہنہ سر حیدرؑ
مزار چھوڑ کے روتے سب انبیاءؑ آئے
جگر کو پکڑے ہوئے رن میں مصطفیٰؐ آئے

جب آیا شمرِ ستمگر قریب شاہِ ہدا
پڑے تھے خاک پہ غش میں امامِ دوسرا
قدم کو سینے پہ خنجر کو حلق پہ رکھا
لعیں نے مصحفِ ناطق کا کچھ ادب نہ کیا
دبا جو سینۂ مظلوم زخم چھٹنے لگے
پسر سے روکے علیِؑ ولی لپٹنے لگے

درِ خیام سے اک بی بی نکلی ننگے سر
بدن میں رعشہ تھا ہلتے تھے کان کے گوہر
نہ اس کے پاؤں میں موزے نہ سر پہ بھی چادر
کہا یہ شمر سے روکر لعیں خدا سے ڈر

شہید کر نہ محمدؐ کے تو نواسے کو
غریب تشنہ جگر تین دن کے پیاسے کو

بہانہ خون مسافر کا تو خدا کے لیے
نہ میرے بھائی کو کر ذبح مصطفےؐ کے لیے
اٹھا لے حلق سے خنجر کو مرتضیٰؑ کے لیے
اماں دے سیّد بیکس کو مجتبٰیؑ کے لیے

گرا نہ خاک پہ گردوں لعیں خدا سے ڈر
جنابِ فاطمہؑ کے نالۂ رسا سے ڈر

ہوس میں دولت دنیا کے سوئے نار نہ جا
رلا کے اپنے نبیؐ کو سقر میں گھر نہ بنا
گرا نہ کعبۂ دنیا و دیں کو ہوش میں آ
جو آپ مرتا ہے کب اس کا مارنا ہے روا

امیدِ زیست نہیں گھر کو بے چراغ ہوا
وہ کیا جئے جگر جس کا داغ داغ ہوا

ترے نبیؐ کا نواسہ ہے ابنِ حیدرؑ ہے
بتولِ بنتِ پیمبرؐ اسی کی مادر ہے
بدن رسولؐ خدا کا یہ جسمِ اطہر ہے
چڑھا ہے جس پہ تو یہ سینہ پیمبرؐ ہے

امامِ خلق شہنشاہِ مشرقین ہے یہ
چڑھا جو دوش نبیؐ پر وہی حسینؑ ہے یہ

ارے بقعۂ اولاد مرتضیٰؑ ہے حسینؑ
علی کا چاند ہے یہ نور کبریا ہے حسینؑ
وطن مدینہ ہے مہمانِ کربلا ہے حسینؑ
نہ پھیر حلق پہ خنجر کہ بے خطا ہے حسینؑ

ملا نہ خاک میں سادات کی کمائی کو
ہٹا لے تیغ نہ کر ذبح میرے بھائی کو

سنی جو شاہؑ نے آواز زینبؑ ناشاد
کہا کہ روک لے اے شمر خنجرِ بیداد
حلال کرنے میں جلدی نے کر سن اے جلاد
بہن غریب کی کرتی ہے نالہ و فریاد

ابھی نہ تن سے جدا کیجیو مرا سر ظالم
وہ جائے خیمے کے اندر تو ذبح کر ظالم

ندا بہن کو دی شہؑ نے یہ کیا کیا زینبؑ
ابھی تو زندہ ہے فرزندِ مرتضیٰؑ زینبؑ
ابھی کے کٹا نہیں تلوار سے گلا زینبؑ
خیام سے نکل آئی غضب ہوا زینبؑ
علیؑ و فاطمہؑ کا نورِ عین زندہ ہے
چھپا لو سر کو ابھی تو حسینؑ زندہ ہے

ابھی یہ کہہ رہے تھے زیرِ تیغ شاہِ ہدا
قیامت آگئی تاریک ہو گیا صحرا
فلک سے آنے لگی نالہ و بکا کی صدا
حسینؑ تڑپے زمیں پر لعین کا ہاتھ چلا
شقی نے بارھویں ضربت میں تن سے سر کاٹا
پکارے رو کے محمدؐ مرا جگر کاٹا

پلٹ کے دیکھتی کیا ہے حسینؑ کی خواہر
علم ہے سرِ شہِ والا کو نوک نیزہ پر
پڑا ہے جلتی ہوئی ریت پر تنِ اطہر
کہاں شبیب کہاں فاطمہؑ کا لختِ جگر
مدد کسی نے نہ کی رو کے چار سو دیکھا
بہن نے بہتا ہوا بھائی کا لہو دیکھا

خموش روپؔ کماری کہ حشر ہے برپا
تڑپ رہے ہیں محبانِ فاطمہؑ زہرا
اٹھا کے ہاتھ یہ پرماتما سے مانگ دعا
میں صدقے اے مرے ایشور مجھے وہ دن دکھلا
کہ پہلے میں درِ فضلِ رسولؐ پر پہنچوں
وہاں سے مرقدِ ابنِ بتولؑ پر پہنچوں

مرثیہ پنجم

سرورق پر یہ عبارت ہے

مطلع:

"کون سا دل ہے جو دل نہیں دیوانۂ عشق"

(152) بند

درحال ابوالفضل عباسؑ

قطعہ

مرثیہ کے تیرے مضموں ہیں اے روپؔ نفیس
چست بندش ہے زباں صاف ہے الفاظ سلیس
دیکھ کر اس کو ہے یہ فضل کی پیشیں گوئی
ہو گی تو طبقۂ نسواں کی زمانہ میں انیسؔ

(مصنّفہ نورچشمی کنیز فاطمہ زہرا بیگم صاحبہ
المتخلص بہ روپؔ)

کون سا دل ہے کہ جو دل نہیں دیوانۂ عشق

کون سا دل ہے کہ جو دل نہیں دیوانۂ عشق
ہر زمانہ کا زبانوں پہ ہے افسانۂ عشق
میری ہستی ہو نہ کیوں رونقِ کاشانۂ عشق
کہ میں ہوں باعثِ آبادیٔ ویرانۂ عشق
دم قدم سے میرے آباد ہے بستی اس کی
کچھ نہ سمجھے وہ جو سمجھے نہیں ہستی اس کی
پر یہ وہ شئی ہے کہ بھگوان بچائے اس سے
جاں نکل جائے مگر دل نہ لگائے اس سے
عمر بھر تڑپے گا جو ربط بڑھائے اس سے
گر ہو ممکن تو تعلق کو اٹھائے اس سے
لاکھ تصویرِ الم کو دلِ رنجور رہے
تا بہ مقدور محبت سے مگر دور رہے
مجھ سے سُن لے نہ سُنا جس نے ہو افسانۂ عشق
صاف مقتل کا مرقع ہے صنم خانۂ عشق
شمع ساں جلتا ہے اس بزم میں پروانۂ عشق
آفریں باد بایں ہمت مردانۂ عشق
عزم نے اس کے ہزاروں کے جگر توڑے ہیں
اس کے دروازہ پہ عشق نے سر پھوڑے ہیں

مسلکِ ظلم ہے یہ مذہب اندانۂ عشق
خونِ ناحق سے ہے آرائش کاشانۂ عشق
ہے جفا کش ازل ساقی میخانۂ عشق
مئے دل سوز سے لبریز ہے پیمانۂ عشق
اس کا جو ذائقہ چکھتا ہے وہ پچھتاتا ہے
تلخیِ موت کا عاشق کو مزا آتا ہے
ظلم و آزار و تشدد میں ہو پھر کیا اسے عار
پھنس کے اس جال میں ہو جاتا ہے انساں بے کار
دین و دنیا سے تعلق نہیں رہنا زنہار
کبھی مجنوں کبھی فرہاد ہوئے اس کے شکار
دشت میں ایک سے لیلیٰ کا سبق رٹ وایا
کوہ کو ایک سے شیریں کے لیے کٹوایا
حسرتِ وصل ہے اس میں غمِ ہجراں اس میں
کبھی اُمید ہے اس میں کبھی حرماں اس میں
ایک دل کے لیے سو رنج ہیں پنہاں اس میں
بس کسی کام کا رہتا نہیں انساں اس میں
آتشِ ہجر کلیجہ میں لگا دیتا ہے
رفتہ رفتہ دلِ محزوں کو جلا دیتا ہے

مذہب عشق میں ہے جبر و تشدد کا رواج
وہ مرض ہے کہ مسیحا سے نہ ہو جس کا علاج
بزمِ عشرت کو یہ کر دیتا ہے دم میں تاراج
یہی شیطان عطا کرتا ہے دل کو سوراج
یہ وہ ظالم ہے کہ اس سے نہ کبھی بات کرے
ملک سے اس کے سدا ترکِ موالات کرے
یہ وہ موذی ہے کہ اس کا نہیں ہمسر کوئی
اس کے کاٹے کا جہاں میں نہیں منتر کوئی
کبھی نکلا نہیں اس جال میں پھنس کر کوئی
مبتلا اس میں نہ ہوئے مرے داور کوئی
سب کا دل ہاتھ سے اس کوچہ میں چھٹ جاتا ہے
قافلہ صبر کا اس دشت میں لٹ جاتا ہے
غم کدہ محفلِ عشرت کو بناتا ہے یہی
دلِ عشاق پہ رنگ اپنا جماتا ہے یہی
ہجرِ محبوب میں تا زیست رولاتا ہے یہی
لمحہ لمحہ دلِ عاشق کو ستاتا ہے یہی
راستے صدمہ ہو اندوہ کے دکھلاتا ہے
روح کی طرح سے رگ رگ میں سما جاتا ہے

آج تک خلق میں پیدا نہ ہوا اس کا جواب
مثلِ سیماب یہ رہتا ہے ہمیشہ بے تاب
آگ پانی میں لگاتا ہے یہی خانہ خراب
یہی کر دیتا ہے برباد حسینوں کا شباب

بے قراری کا سبق ہجر میں دے جاتا ہے
قلب سے صبر و تحمل کو یہ لے جاتا ہے

خواب راحت ہے کہیں خواب پریشاں ہے کہیں
وصل کی شب ہے کہیں اور شبِ ہجراں ہے کہیں
کہیں کافر ہے یہ مردود مسلماں ہے کہیں
کہیں انسان کی صورت ہے تو شیطاں ہے کہیں

اُس سے خوش ہے کفِ حسرت جسے ملتے دیکھا
وصل کے نام سے کمبخت کو جلتے دیکھا

مذہبِ عشق ہے دنیا میں عجب دیوانہ
شمعِ ظلم و ستم جور کا ہے پروانہ
کبھی اپنا کبھی بن جاتا ہے یہ بیگانہ
کبھی جاں سوز ہے دلچسپ کبھی افسانہ

عبرت آموز ہے عالم میں کہانی اس کی
سوزِ دل چہرہ کی زردی ہے نشانی اس کی

ہے مسیحا یہ کبھی صاحبِ آزار کبھی
ہے کبھی یوسفِ کنعاں تو خریدار کبھی
کبھی تسبیح یہ بن جاتا ہے زنار کبھی
پھل کبھی نخل کبھی پھول کبھی خار کبھی

جوش میں رنگِ مجازی سے نکل جاتا ہے
کبھی یہ عشقِ حقیقی سے بدل جاتا ہے

کبھی یہ شمع صفت ہے کبھی پروانہ ہے
کبھی دل سوز کہانی کبھی افسانہ ہے
کبھی خُم ہے کبھی مینا کبھی پیمانہ ہے
الغرض یہ کبھی اپنا کبھی بیگانہ ہے

کبھی افسردگی و یاس کی تصویر ہے یہ
کبھی فریاد کبھی نالۂ شب گیر ہے یہ

کہیں قاتل ہے یہ کمبخت تو بسمل ہے کہیں
ہے کہیں ظالمِ سفاک تو عادل ہے کہیں
قافلہ ہے کہیں جادہ کہیں منزل ہے کہیں
قعرِ دریا ہے کسی جا پہ تو ساحل ہے کہیں

سوزِ دل ہے یہ کبھی ساز کبھی درد کبھی
نالۂ گرم کبھی ہے نفسِ سرد کبھی

جس کو دم بھر میں تغیر ہو وہ الفت کیسی
خاک ہو جائے جو ایک دن میں وہ صورت کیسی
عارضی حسن کی دنیا میں محبت کیسی
جس چمن کو ہو خزاں اُس پہ ریاضت کیسی
جس کا انجام جدائی ہو وفا کیا اُس سے
جو فنا ہوئے پھر اُمید بھلا کیا اُس سے

بندۂ عشق بنے جرأت و ہمت والے
اس کے شیدائی ہیں کُل مذہب و ملت والے
شیفتہ بادۂ الفت کے ہیں الفت والے
کشتۂ سیفِ محبت ہیں محبت والے
زندگی کا نہ مزا خلق میں حاصل ہوتا
ایک پہ ایک جو دنیا میں نہ مایل ہوتا

پھر بھی دیکھا نہیں اس عشق کا اچھا انجام
یہی ظالم ہے جو رکھتا ہے ہمیشہ ناکام
بچ سکے اس سے زمانہ میں نہ آقا نہ غلام
میں تو اس عشق کو بس دور سے کرتی ہوں سلام
اس کی چالوں سے زمانہ کو بچائے ایشور
اس کے پھندے میں کسی کو نہ پھنسائے ایشور

لکھ رہی ہوں میں حقیقت میں مجازی کا جو حال
یہ بلا جانِ حزیں کے لیے ہر دم ہے وبال
اختلاجِ دلِ مضطر ہے محبت کا مآل
ہو بیاں عشقِ حقیقی کا ہے دشوار و محال
سچ تو یہ ہے رہِ تسلیم و رضا مشکل ہے
سہل ہے عشقِ بشر عشقِ خدا مشکل ہے

میں بھی ایک عاشقِ دل دادہ ہوں سُن اے بلبل
میرا معشوق ہے ایک ماہ لقا غیرتِ گُل
حُسن کا جس کے زمانہ میں ہر ایک سمت ہے غُل
جس کے قبضہ میں ہے ایشور کی خدائی بالکل
اپنے عاشق پہ نہ وہ جوروستم کرتا ہے
یہ وہ معشوق ہے جو لطف و کرم کرتا ہے

ہے اسی گُل کی محبت میں میرا حال زبوں
سرِ شوریدہ نے پہونچائی ہے نوبت بہ جنوں
کس کو دکھلاؤں میں یہ حالتِ قلبِ محزوں
دل پہ جو میرے گزرتی ہے وہ کس سے میں کہوں
روز اس درد میں مر مر کے جیا کرتی ہوں
نام پہ اپنے مسیحا کا جیا کرتی ہوں

دل اُدھر آیا ہے جب سے تو یہ حالت ہے اِدھر
چلتے ہیں دل پہ بیگانوں کی زباں کے خنجر
اک میری جانِ حزیں اور یہ ستم آٹھ پہر
ایسے جینے سے تو واللہ ہے مرنا بہتر

فرق آجائے نہ کیوں صبر و شکیبائی میں
کوئی اپنا نہ ہو جب عالمِ تنہائی میں

ہو گئی عشق میں رُسوا نہ رہا عزو وقار
آفتیں ٹوٹ پڑی ہیں دلِ مضطر پہ ہزار
اب نہ ہمدم کوئی باقی ہے نہ کوئی غم خوار
سچ تو یہ ہے کہ نہیں اب میرا زندوں میں شمار

ہو گئی اُس سے محبت میں یہ حالت اپنی
رونا آتا ہے مجھے دیکھ کے صورت اپنی

بجھ گیا دل وہ امنگوں پہ طبیعت ہی نہیں
مردنی چھائی ہے چہرہ پہ وہ صورت ہی نہیں
ناتوانی کا یہ عالم ہے کہ طاقت ہی نہیں
لاغری بڑھ گئی وہ زور وہ قوت ہی نہیں

سیدھا ہونے نہ دیا ضعف نے ابرو کی طرح
گر گئی سب کی نگاہوں سے میں آنسو کی طرح

سوچتی ہوں کہ ہوئی ایسی خطا کیا مجھ سے
منہ چھپاتا ہے ہر ایک اپنا پرایا مجھ سے
پک گیا سارے عزیزوں کا کلیجہ مجھ سے
کیا ہوا دل نہیں ملتا جو کسی کا مجھ سے

اب یگانوں کی ملاقات کے قابل نہ رہی
عشق میں کیا میں پھنسی بات کے قابل نہ رہی

لاکھ دکھ ہیں میرے لب پر نہیں کچھ شور و فغاں
حالِ دل غیر سے کہہ دینے میں ساکت ہے زباں
جوشِ گریہ ہے پر آنسو نہیں آنکھوں سے رواں
شمع ساں جل گئی لیکن کبھی اٹھا نہ دھواں

شعلہ افروز جو داغِ دلِ دیوانہ ہے
شمع خود سوز جگر پر میرے پروانہ ہے

ایک دن وہ تھا کہ تھے غیر بھی سب میرے شفیق
آج بگڑا ہوا اپنوں کا بھی ہے طور و طریق
نہ کوئی دوست نہ ہمدم ہے نہ مونس نہ رفیق
قوم نالاں ہے تو ازردہ ہے ایک ایک فریق

منہ سے گر بات نکالوں تو گلہ ہوتا ہے
سچ تو یہ کہ بُرا وقت بُرا ہوتا ہے

شاملِ حال ہے پر رحمتِ حق فضلِ رسول
شیرِ حق میری مدد پر ہیں تو کیوں ہوں میں ملول
غم نہیں اس کا جو کہتے ہیں کہیں مجھکو جہول
میں نے اسلام کیا ان کی محبت میں قبول
یہی بندے ہیں جو ہیں عرش پہ جانے والے
حشر میں ہیں یہی کوثر کے لٹانے والے

لطف جینے کا یہی ہے کہ مرے ان پہ مدام
ان کا ہو کر جو رہا اُس کا ہوا نیک انجام
عشق میں ان کے خوشابخت نکل جائے جو نام
یہ نتیجہ ہو ملیں کوثر و تسنیم کے جام
عشق اُن سے ہو حقیقی تو خدا ملتا ہے
ساغرِ عمر چھلکتے ہی مزا ملتا ہے

کیوں نہ محبوب پہ اپنے رہوں ہر دم میں فدا
کیا اثر اسمِ مبارک میں ہے ایشور نے دیا
جان و ایماں کا محافظ سپر تیغ بلا
راحتِ دل مرضِ رنج کی اکسیر دوا
جب کبھی رنج و مصیبت میں پکارا میں نے
اپنا بگڑا ہوا ہر کام سنوارا میں نے

مجھ سے پوچھے کوئی گر صاف تو کہہ دوں بہ حلف
ہاں ملا ہے مجھے اُس دُر کی محبت کا شرف
جس کا معدن حرمِ پاک ہے مخزن ہے نجف
یہی گوہر تو ہے دریائے امامت کا صدف
اس صدف سے ملے سنسار کو گیارہ موتی
جن سے بہتر نہ ہوئے ہونگے نہ پیدا موتی

بس انہیں کا مرے کاشانۂ دل میں ہے ظہور
باعث ان کا ہے جو ہے خانۂ ویراں پُرنور
تذکرے ان کے جو ہوتے ہیں تو ہوتا ہے سرور
باتیں انکی ہوں نہیں غیر کا قصہ منظور
دل سے جاتی ہی نہیں آٹھ پہر یاد اُن کی
لولگائے ہمہ تن ہے دلِ ناشاد اُن کی

ہے جو ان ماہ لقاؤں پہ سہارا اپنا
آگیا بُرجِ شرف میں ہے ستارا اپنا
ان کی الفت میں ہے مرنا بھی گوارا اپنا
ہوتا ہے ان کی محبت پہ گزارا اپنا
خانۂ دل میں یہی آٹھ پہر رہتے ہیں
اے خوشا بخت یہ مہماں میرے گھر رہتے ہیں

یہ وہ ہیں جن پہ فدا ہے میرے ایشور کا حبیب
یہی بندے تو ہیں بھگوان کی رحمت سے قریب
عشق میں ان کے شرف پایا ہے میں نے یہ عجیب
واہ میں بن گئی اللہ و پیمبرؐ کی رقیب
عین حق میری رقابت ہے رقیب ایسی ہوں
دل میں گھر ان بنا اُن سے قریب ایسی ہوں

ہو نہ گر عشقِ مجازی تو نہیں کھلتی ہے بات
آفتِ عشق سے اس طرح سے ملتی ہے نجات
رہے بے تاب غمِ آلِ نبیؐ میں دن رات
اے خوشا ان کی محبت میں گزاریں اوقات
فتنہ دہر کا کچھ خوف نہ لائے دل میں
جان بھی جائے تو وسواس نہ آئے دل میں

آنکھ وہ آنکھ ہے گریاں جو رہے لیل و نہار
سر وہی سر ہے جو ٹکرائے بشر سو سو بار
دل وہی دل ہے نہ ہو جس میں ذرا صبر و قرار
جان وہ جان ہے جو آلِ نبیؐ پہ ہو نثار
سینہ کس کام کا گر داغ نہ کھائے ان کا
قلب پتھر ہے جو صدمہ نہ اٹھائے ان کا

کھال بھی ان کی محبت میں جو کھینچے کوئی
شمس تبریزی کے مانند رکھوں دل کو قوی
التجا آٹھ پہر ہے میری ایشور سے یہی
بڑھ کے منصورؔ سے رکھ بات جہاں میں میری
کلمہ منہ سے نہ بے جا میرے حاشا نکلے
قطرۂ خوں سے صدا ہائے حسیناؑ نکلے

گھر چھٹے بار چھٹے اپنا پرایا چھوٹے
عیش و آرام بھی چھٹ جائے تو اچھا چھوٹے
فکرِ کوثر میں جو چھٹتی ہے تو گنگا چھوٹے
دل سے لیکن نہ خیالِ شۂ بطحا چھوٹے
کلمہ لب پہ یہ ہو دل میں یہی یاد رہے
درد ان کا ہو تو پہلو میرا آباد رہے

فلسفہ عشق کا ہے آج میرے پیشِ نظر
کشتۂ تیغِ محبت تو ازل سے ہے بشر
دیکھا اُس کے کھلیں گے سرِ محشر جوہر
جب قیامت میں قیامت کا یہ ہو گا منظر
جوش فریاد کہیں نالہ جانکاہ کہیں
اُف کہیں درد کہیں اشک کہیں آہ کہیں

ان کے جاں بازوں کو ہو خوفِ قیامت توبہ
غمِ اولادِ نبیؐ اور ہو زحمت توبہ
ان کے شیداؤں سے دور ہو رحمت توبہ
یہ بھی ممکن ہے نہ ہو ان کی شفاعت توبہ
انھیں شہزادوں کی الفت میں اماں پائیں گے
حوضِ کوثر پہ علیؑ خود انھیں لے جائیں گے

ان کے عاشق کے نصیب اچھے ہیں رہتے ہیں سوا
زندگی میں انھیں پایا تو خدا کو پایا
ان پہ جو مر گیا بھگوان کا محبوب ہوا
صاف قرآن میں لا اسئلکم ہے آیا
غیر سے دور رہے ان سے سروکار رہے
شرط لیکن ہے محبت میں گرفتار رہے

ایک وفا کیش کا لکھتی ہوں مثالاً احوال
نام سے جس کے نمودار ہے خود رو جلال
جو کہ ہے شیرِ نیستانِ علیؑ نیک خصال
بازوئے حضرتِ شبیرؑ یداللہ کا لال
شرطِ الفت جو وفا تھی تو وفادار ہوئے
حق ملا فوجِ حسینیؑ کے علمدار ہوئے

مل گئی راہِ وفا ان سے وفاداروں کو
عشقِ شبیرؑ میں گل جانا سدا خاروں کو
کھیل سمجھا کیے چلتی ہوئی تلواروں کو
باپ کی طرح بھگاتے رہے جراروں کو
کم ہیں سنسار میں اس جرأت و ہمت والے
اب تو دنیا میں نہیں ایسی محبت والے

ناز ہے جن پہ وفا کو یہ وفادار ہیں یہ
شان میں ہم شرفِ جعفرِ طیار ہیں یہ
راحتِ جان و دلِ حیدرِؑ کرار ہیں یہ
ورثہ دارِ علمِ احمدِؐ مختار ہیں یہ
کس کو کہتے ہیں وفا ان سے قرینہ پوچھو
نہر سے رتبۂ سقائے سکینہؑ پوچھو

گوہرِ قلزمِ الطافِ وفا ہیں عباسؑ
رہ روئے منزلِ تسلیم و رضا ہیں عباسؑ
خضرِ سر چشمۂ اشفاق و عطا ہیں عباسؑ
زینتِ انجمنِ صدق و صفا ہیں عباسؑ
اُس کے بھائی ہیں کی موت گوارا جس نے
اُس کے پیارے ہیں شریعت کو سنوارا جس نے

اے علمدارِ جری میں تیری الفت کے نثار
ہے تیری ذات سے گلزارِ محبت میں بہار
ہے تو ہی مملکتِ صدق و صفا کا سردار
تیرے سر کے لیے زیبا ہے وفا کی دستار
قوتِ بازوئے شبیرؑ دل افگار ہے تو
جس میں ہے بوئے وفا وہ گُلِ بے خار ہے تو

جان و دل سے تیرے شیدا ہیں غلامانِ علیؑ
میں بھی صدقے تیرے اے شیرِ نیستانِ علیؑ
ناصرِ سبطِ نبیؐ حامیِ دیں جانِ علیؑ
ہمسرِ جعفرؑ طیار تو ہم شانِ علیؑ
مطمئن تھے تیری الفت پہ یگانے تیرے
بزمِ عشاق میں ہوتے ہیں فسانے تیرے

جس طرح قوتِ بازوئے نبیؐ تھے حیدرؑ
ناصرِ سبطِ پیمبرؐ رہا یہ نیک سیر
تھا جو نظارۂ روئے شہِؑ دیں پیشِ نظر
دیدۂ دل سوئے شبیرؑ رہا آٹھ پہر
محوِ گُلگشتِ گلستانِ وفا رہتے تھے
مثلِ بلبل گُلِ زہراؑ پہ فدا رہتے تھے

بھائی کہہ کر شہِؑ دیں اُن سے جو کرتے تھے کلام
عرض کرتے تھے یہ عباسؑ کہ میں تو ہوں غلام
شہؑ پہ مر جانے کو سمجھا کیے جینا یہ مدام
مثلِ ہمشکلِ نبیؐ چاہتے تھے ان کو امامؑ
یوں تو سو جان سے بھائی پہ فدا تھے عباسؑ
کربلا آکے تو پھر کلِ وفا تھے عباسؑ

عشقِ شبیرؑ میں آرام سے بے زار رہے
راحتِ سبطِ پیمبرؐ کے طلب گار رہے
ہر مصیبت میں شہِؑ دیں کے مددگار رہے
اپنے محبوب کے محبوب وفادار رہے
کیا محبت تھی اسے حُسنِ ولا کہتے ہیں
عشق کہتے ہیں اسے اس کو وفا کہتے ہیں

جب مدینہ سے روانہ ہوئے شاہِؑ ذی جاہ
ساتھ سلطانِ امم کے رہے یہ شام و پگاہ
دھوپ وہ سخت و لو گرم کے ایشور کی پناہ
سایہ کی طرح رہے ساتھ یہ شہؑ کے ہمراہ
راستہ میں ہمہ تن وقف تھے خدمت کے لیے
لاکھ تدبیریں تھیں شبیرؑ کی راحت کے لیے

منزلیں سخت عرب کی وہ زمیں ناہموار
جیٹھ بیساکھ کے دن اور وہ ہوا آتش بار
ریگِ صحرا کو نہ تھا شدتِ گرمی سے قرار
تھے نظر میں گرہ نار کی صورت کہسار

آگ اوڑتی تھی بگولا جو وہاں اٹھتا تھا
ابر کے بدلے پہاڑوں سے دھواں اٹھتا تھا

وہ کڑے کوس وہ گرمی کا سرادق میں اثر
قطع کرتے چلے جاتے تھے منازل سروڑ
کہ سنی مسلم و ہانی کی شہادت کی خبر
اناللہ کئی بار کہا رُو رُو کر

دیر تک یاس سے دیکھا کئے منہ پیاروں کا
سب نے ماتم کیا جنت کے خریداروں کا

واں سے چل کے شہِ دیں دشتِ بلا میں آئے
جو نبیؐ کہہ گئے تھے یاں وہ نشاں سب پائے
روک کر اسپ کو یہ بات زباں پہ لائے
سب ہے منظور خدا جو ہمیں یاں پہ دکھلائے

ہم کو اب آگے یہاں سے نہیں جانا منظور
بس اسی دشت کا ہم کو ہے بسانا منظور

پھر یہ عباسؑ سے فرمایا کہ بھائی ادھر آؤ
منزل آخر ہوئی بس اب قدم نہ آگے بڑھاؤ
بڑھ گئے ہیں جو انہیں روک لو ناقوں کو بیٹھاؤ
بی بیوں کے لیے ایک سمت قناتیں تو لگاؤ

دشتِ غربت میں ٹھہرنے کا سر انجام کرو
خیمے برپا کرو پھر بیٹھ کے آرام کرو

الغرض نہر پہ برپا ہوئے حضرتؑ کے خیام
رفقا نے کمریں کھولیں برائے آرام
ناگہاں پہونچا بن سعد لعیں یہ پیام
ہٹ کے دریا سے فروکش ہوں کہیں دور امامؑ

فوجیں آئیں گی تو میداں تہہ و بالا ہو گا
اس جگہ شمر کے لشکر کا رسالا ہو گا

غیض میں آ گئے عباسؑ سُنا جب یہ کلام
غضب آلود اٹھے کھینچ لی غازی نے حسام
بڑھ کے فرمایا کہ دریا سے نہ اٹھیں گے خیام
شیر کو دیکھ کے بپھرے ہوئے بولے یہ امامؑ

جو یہ کہتے ہیں برادر اُسے منظور کرو
چھوڑ دو نہر کو غصہ کو چلو دور کرو

ہم تو مہماں ہیں جہاں چاہیں یہ ہم کو ٹھہرائیں
عوضِ لطف و مدارات جو دکھ بھی پہونچائیں
اُف نہ منہ سے کریں گو پیاس سے بچے مرجائیں
دیں یہ ایذا بھی تو شکوہ کا سخن لب پہ نہ لائیں

اپنے آرام کے سامان رہیں یا نہ رہیں
یہ رہیں نہر پہ مہمان رہیں یا نہ رہیں

سختی آئی ہوں کہ جس دم شبِ عاشور آئی
خیمۂ آلِ محمدؐ پہ اُداسی چھائی
مضطرب خوف سے تھی بنتِ علیؑ کی جائی
ڈر یہ تھا قتل نہ ہوئے میرا بیکس بھائی

بندگی حق کی شہِؑ تشنہ دہان کرتے تھے
حمدِ معبود سے تر خشک زباں کرتے تھے

یہ وہ تھا وقت کہ دریا پہ نہ تھے شہِؑ کے خیام
تھی تپش ریتی میں اس درجہ کہ تھا کام تمام
پیاس سے مضطرب الحال تھے اطفالِ امام
نہر گھیرے ہوئے ہر سمت سے تھا لشکرِ شام

دل شہِؑ دیں کا شہادت کی طرف مائل تھا
حلق و خنجر فقط پردۂ شب حائل تھا

سجدے کرتے تھے اِدھر شہؑ کے رفیق و انصار
خوابِ غفلت میں اُدھر تھی سپہ بدکردار
نوحہ کرتی ہوئی چلتی تھیں ہوائیں ہر بار
سُن کے آہوں کی صدا دشت سے اُٹھتا تھا غبار

حال ظلمت کا لبِ نہر عیاں ہوتا تھا
موج پر گیسوئے لیلیٰ کا گماں ہوتا تھا

گرد خیمے کے ٹہلتا تھا علمدارِ جری
جامِ دل میں تھی مے الفتِ شبیرؑ بھری
لب پہ نام اُس کا جو ہے مالکِ خشکی و تری
اپنے آقا کی حفاظت سے نہ تھی بے خبری

رات بھر مثلِ اسد ٹھاٹ بدلتے دیکھا
آئے جس وقت عدو ان کو ٹہلتے دیکھا

شیر کی خیمہ سرورؑ پہ برابر تھی نظر
گرد خیمہ کے ٹہلتے رہے بے خوف و خطر
ناگہاں چرخ پہ بجھنے لگی قندیلِ قمر
جھلملانے لگے ہر سمت فلک پر اختر

شبِ تاریک کٹی صبح کا تارا چمکا
نور پھیلا شہِ خاور کا ستارا چمکا

جھلملانے لگے سب سقفِ فلک پہ تارے
کر چکے سیرِ گلستانِ جہاں سیارے
نور کے چشمۂ خاور سے چھٹے فوارے
دیکھ کر رنگِ افق مرغِ چمن چہکارے
بیٹھ کر ڈالیوں پہ حمدِ خدا کرنے لگے
سب کے سب اپنی زبانوں میں دعا کرنے لگے

صبح کا وقت سہانا وہ گلوں کی خوشبو
دشت و کہسار میں تھا نور کا عالم ہر سو
آشیانوں سے پرندوں کا وہ آنا لبِ جو
کہیں کو کو کی صدائیں کہیں شورِ یاہو
مچھلیاں ابھری ہوئی رنگِ جہاں دیکھتی تھیں
موجیں اٹھ اٹھ کر بیاباں کا سماں دیکھتی تھیں

نور باغوں میں تھا ظلمت کا نہ تھا نام و نشان
آنکھیں نرگس کی تھیں نورِ سحری پہ قربان
ہر زباں کرتی تھی شکرِ چمن آرائے جہان
صوتِ بلبل سے نمایاں تھا کہ دیتی ہے اذان
شاخیں شبنم سے وضو کرتی تھیں طاعت کے لیے
سرو ایستادہ تھے صف بستہ جماعت کے لیے

کہیں سبزہ کی فضا تھی کہیں لالہ کی بہار
روشوں پہ وہ نسیمِ سحری کی رفتار
ایک بلبل کے ترانے میں کرشمے تھے ہزار
چپکے چپکے کہیں ہونٹوں پہ تھی حمدِ غفار
حمدِ معبود کے گلشن میں مزے ملتے تھے
غنچوں کے منہ تھے کھلے پھولوں کے لب ہلتے تھے

قمریاں سرو پہ بیٹھی ہوئی کرتی تھیں یہ غل
گل کھلے فصلِ بہار آئی خزاں کا ہوا قتل
ہمہ تن محوِ تماشائے چمن تھے بلبل
اپنی کا کُل کی درستی میں تھا الجھا سنبل
ہر طرف نورِ سحر سے چمن آرائی تھی
فضل ایشور کا تھا گلچیں کی مراد آئی تھی

آتشِ گل جو بڑھی ہو گیا روشن گلشن
بن گیا نکہتِ فردوس کا مسکن گلشن
بارشِ نور سے تھا وادیٔ ایمن گلشن
جب کھلے پھول دکھانے لگا جوبن گلشن
محوِ حیرت ہو جس اس رنگ کو انساں دیکھے
کسی گلشن میں نے ایسے گلِ خنداں دیکھے

چہچہے بھی تھے عنادل کے مسرت انگیز
خوشے پھولوں کے تھے یا شب کی دلہن کا تھا جہیز
گل کو بلبل سے نہ چشمک تھی نہ تھا کچھ پرہیز
صحنِ گلشن میں تھی رفتار صبا کی گل ریز

بس کے پھولوں میں نسیم سحری پھرتی تھی
باغ میں باد صبا تھی کہ پری پھرتی تھی

وہ ہوا سرد وہ رنگِ چمنستانِ سحر
صنعتِ صانعِ قدرت پہ تھی قربان سحر
آسماں پر نہ ستارے تھے نہ روشن تھا قمر
مثلِ انجم کے شگوفے تھے زمیں پر گل تر

ہر طرف بادِ صبا پھرتی تھی اتراتی ہوئی
فضلِ خالق سے گھٹا نور کی تھی چھائی ہوئی

زرد پھولوں سے سنہری تھی چمن کی دیوار
پرتوِ گل سے تھا بلبل کا نشیمن گلنار
کیوں نہ ہو جاؤں میں ایشور تیری قدرت کے نثار
کھینچ دی ہر ورقِ گل پہ ہے تصویرِ بہار

شاخِ سرسبز پہ حُسنِ ثمر و گل دیکھا
زلفِ سنبل کا خدا ساز تسلسل دیکھا

جامۂ سبز سے ملبوس تھے اشجارِ چمن
ہار پھولوں کا بناتا تھا ہر خارِ چمن
چہچہے کرتے تھے طاہر سرِ دیوارِ چمن
خوابِ سبزہ کا بنا دولتِ بیدارِ چمن

باغ کی راہ تھی وا بادِ بہاری کے لیے
نکہتِ گل ہوئی تیار سواری کے لیے

تھی نظر محوِ تماشائے حسینانِ چمن
گل فشاں شاخِ گلِ تر یہ تھے مرغانِ چمن
گوہر افشانیِ شبنم سے بڑھی شانِ چمن
بھر گیا گوہرِ مقصود سے دامانِ چمن

عقل حیران تھی شبنم کی گہر باری پر
فرش تھا موتیوں کا مخمل زنگاری پر

مئے شبنم سے چھلکنے لگا پیمانۂ گل
محفلِ نور میں وہ جلوۂ جانانۂ گل
ہر طرف بزمِ عنادل میں تھا افسانۂ گل
باغباں کا تھا یہ عالم کہ تھا دیوانۂ گل

پھول گلشن میں صبا کی جو سنک پاتے تھے
ناز سے کود میں شاخوں کی مچل جاتے تھے

روشوں کے تھے کناروں پہ بیابانی پھول
دلِ مضطر کی مٹائے تھے پریشانی پھول
نرگسی پھول بھی کس درجہ تھے نورانی پھول
جن کا نہ ثانی تھا دنیا میں وہ لاثانی پھول
اوج پہ دشت کی تقدیر نظر آتی تھی
چار سو خلد کی تصویر نظر آتی تھی

صبح کے وقت سرِ کوہ عجب منظر تھا
چشمۂ نور سے دھویا ہوا ہر پتھر تھا
رنگ گلزار پہ صدقہ فلکِ اخضر تھا
کہیں سبزہ کہیں پھولوں کا لگا بستر تھا
جب نگاہیں طرف نانِ سحر کرتے تھے
حمدِ معبود کی مرغانِ سحر کرتے تھے

دشتِ ویراں میں شگفتہ تھا ریاضِ ایمان
دیکھ کر نورِ سحر دی علیؑ اکبر نے اذان
ہو گئے زینتِ سجادہ امامِ دو جہان
عقب شاہؑ کھڑے ہو گئے سب پیر و جوان
سرگزاروں کو اقامت نے سرفراز کیا
بندہ کی نیت نے درِ خلد بریں باز کیا

دم بدم خشک زبانوں پہ وہ ذکرِ معبود
اللہ اللہ نمازوں میں قیام اور وہ قعود
کرتے تھے شوقِ عبادت میں رکوع اور سجود
حامیِ دینِ خدا ناصرِ شاہِؑ ذی جود
ایسے ہوتے ہیں قدم عشق میں دھرنے والے
نام تو زندہ ہے گو مر گئے مرنے والے

وجہ بے تابیِ انصار کتب سے ہے عیاں
سامنے ان کے تھے آراستہ جنت کے مکاں
جامِ کوثر لیے مشتاق تھے حور و غلماں
دیکھ کر یہ ہوئے سب داخلِ گلزارِ جناں
جوش تھا جنسِ شہادت کے خریداروں میں
شہہ کا دم بھرتے ہوئے پھرتے تھے تلواروں میں

پہونچے کوثر پہ جب اصحابِ شہِ جن و بشر
اذن لے لے کے عزیزوں نے کیا قصدِ سفر
خون میں ڈوب گئے باغِ وفا کے گل تر
لٹ گیا دشت میں گلزارِ عقیلؑ و جعفرؑ
صبح سے عازمِ بستانِ جناں تھے عباسؑ
سب شہیدوں کو بہ حسرت نگراں تھے عباسؑ

خونِ دل بہہ گیا پیاسوں کی سنی جب آواز
کر کے سب بھائیوں کو جمع یہ بولا جانباز
غرق ہوتا ہے اب نہر شہِ دیں کا جہاز
کس مصیبت میں ہیں افسوس شہنشاہِ حجاز
کام کی بات یہ ہے ہم نہ رہیں نام رہے
پھر ملے گا نہ یہ دن آج جو ناکام رہے

دیر کا وقت نہیں جلد کرو جا کے وغا
تم پہ واجب ہے سراسر میرا کہنا کرنا
پہلے اس واسطے کرتا ہوں میں تم سب کو فدا
مطمئن ہو کے میں لوں پھر شہِ والا سے رضا
میرے آگے جو شہِ دیں کی شہادت ہو گی
حشر میں حیدرؑ و زہراؑ سے خجالت ہو گی

یک زبان ہو کے یہ کہنے لگے وہ خوش کردار
بھائی سو جان سے ہم سب شہِ والا پہ نثار
چاہیے فضلِ خدا کیا ہے سپاہِ کفار
لے کے ہم اذن وغا کرتے ہیں جا کر پیکار
بولے عباسؑ کے ہوں شہؑ کے فدائی ایسے
میرے اللہ نے بخشے مجھے بھائی جیسے

دولتِ حیدرؑ کرار لٹا کر عباسؑ
مطمئن ہو کے گئے حضرتِ شبیرؑ کے پاس
عرض کی دل کو ہے گھیرے ہوئے اب حسرت و یاس
ٹکڑے کرتی ہے جگر کو میرے اطفال کی پیاس
دیجیے عزت سفرِ خلد کی تیاری ہے
سقہ بن کر ہوں سبکدوش علمداری سے

غش پہ غش آتے ہیں ایسی ہے سکینہؑ بے حال
پیاس سے جھولے میں ہے اصغرؑ معصوم نڈھال
کہیے کب تک میں رہوں حاملِ اندوہ و ملال
اب تو اک دم بھی جہاں میں مجھے رہنا ہے محال
بند ہے آب رواں دخترِ شہؑ روتی ہے
دیجیے اذنِ وغا دیر بہت ہوتی ہے

گر اجازت نہ ملی جنگ کی یا شاہِ امام
تو گلا کاٹ کے مر جائے گا حضرتؑ کا غلام
جب علمدارِ دلاور نے کیا ختم کلام
سُن کے عباسؑ کی تقریر بہت روئے امام
کس طرح منہ نہ بھلا اشکوں سے دھوئیں شبیرؑ
لو جواں بھائی چھٹے اور نہ روئیں شبیرؑ

جائے انصاف ہے احباب کرم اہلِ عزا
باوفا حضرتِ عباسؑ سا بھائی جس کا
ظالم اعدا سے غریب الوطنی میں ہو جدا
کیوں نہ تنہائی پہ اپنی کریں شاہؑ آہ و بکا
مضطرب قبر میں محبوب خدا ہوتے ہیں
شاہِ دیں روتے ہیں عباسؑ جدا ہوتے ہیں

شاہؑ فرماتے ہیں کہتے ہو یہ کیا تم بھائی
تم کو عباسؑ گوارا ہے میری تنہائی
رن میں بادل کی طرح فوجِ ستم ہے چھائی
یہ سمجھ لو جو گئے تم تو مری موت آئی
خنجرِ شمر سے بچنے کا نہیں سر میرا
خوف پھر کس کا ہے لوٹیں گے عدو گھر میرا

شہؑ کو انکار تھا یہ کرتے تھے پیہم اصرار
ہاتھ بھی جوڑے کہ راضی ہوں امامِ ابرار
جنگ کے شوق میں تھا ان کو ٹھہرنا دشوار
رکھ دیا سر قدمِ شاہؑ پہ جھک کر ایک بار
شیرِ جانباز نے مجبور کیا سرورؑ کو
جب تلک دی نہ اجازت نہ اٹھایا سر کو

آئے خیمہ میں سکینہؑ کو بہت پیار کیا
بولے ان سوکھے ہوئے ہونٹوں پہ قربان چچا
لاؤ مشکیزہ بنوں گا میں تمہارا سقہ
عرض کی اُس نے بھتیجی ہو اس الفت کے فدا
مشک میں لاتی ہوں تم نہر سے لاؤ پانی
جان بچ جائے گی میری جو پلاؤ پانی

مشک لی سب سے ملے خیمہ سے آئے باہر
دیکھا سر خم کیے روتے ہیں شہِ تشنہ جگر
منہ تو ہے سوئے فلک ہاتھوں سے پکڑے ہیں جگر
اور دعا لب پہ ہے دے صبر مجھ اے داور
کس طرح صبر کروں منہ کو جگر آتا ہے
جس سے میں زندہ تھا مرنے کو وہ اب جاتا ہے

گرد حضرتؑ کے پھرا شیرِ خدا کا دلدار
عرض کی حکم ہو آقا کا تو خادم ہو سوار
رو کے فرمانے لگے سبطِ رسولؐ مختار
ٹھہرو عباسؑ تمہیں پیار تو کر لوں ایک بار
عالمِ بیکسی و یاس میں منہ موڑتے ہو
چند ساعت کے لیے میری کمر توڑتے ہو

کر کے تسلیم شہِ دیں کو علمدار چلا
ساتھ ہی ساتھ دلِ سیّد ابرار چلا
قوتِ جان و دلِ حیدرؑ کرار چلا
شوخیاں اپنی دکھاتا ہوا رہوار چلا
راحتِ روح ہوئیں ساری ادائیں اُس کی
آ کے جنت سے لیں حوروں نے بلائیں اُس کی

وہ سواری کا تجمّل وہ جمال و شوکت
ہے تصور کی نگاہوں میں فرس کی صورت
سایہ افگن سرِ راکب پہ تھی حق کی رحمت
بل وہ ابرو کا وہ چہرے کی گلابی رنگت
نظرِ قہر و غضب لشکرِ مے نوش پہ تھا
جس کے پنجہ میں ظفر ہے وہ علم دوش پہ تھا

بید کی طرح سے تھرا گئے لشکر کے جواں
سرنگوں ہر قدر انداز ہوا مثلِ کماں
کانپ کر ہو گئیں تلواریں نیاموں میں نہاں
تھرتھرانے لگے فوجِ ستم آرا کے نشاں
قہر نے گھیر لیا راہ جفا بند ہوئی
سانس اکھڑنے لگی قرنا کی صدا بند ہوئی

آشیانوں سے پرند اُڑ گئے حیواں بھاگے
ہر طرف ساکنِ کہسار و بیاباں بھاگے
پیل تن چھپ گئے شیرانِ نیستاں بھاگے
گرد کی طرح عدو چھوڑ کے میداں بھاگے
شور دریا پہ ہوا ثانیِ الیاسؑ آئے
غل علمداروں میں ہونے لگا عباسؑ آئے

متصل فوج کے عباسؑ نے روکا رہوار
نور پر چہرۂ انور کے ہوا مہر نثار
شیر گونجا تو کیا بزدلوں نے ان سے فرار
تھا یہ نعرہ کہ ہے مشہور ہماری تلوار
جو کہ ہے نورِ خدا نورِ نظر اُس کا ہوں
جس سے جن لڑ نے سکے لختِ جگر اُس کا ہوں

اسدِ بیشۂ قدرت ہے خطاب حیدرؑ
فوجِ نصرت رہی ہمراہِ رکاب حیدرؑ
مہرِ خالق کا نمونہ ہے عتاب حیدرؑ
صف شکن قاتلِ کفار جناب حیدرؑ
مژدۂ فتح انھیں تیغ دو پیکر نے دیا
ہدیہ اللہ کی جانب سے پیمبرؐ نے دیا

نفسِ پیغمبرؐ آخر ہیں امامِ ذی جود
یہ ہوتے تو نہ ہوتا کوئی ذرہ موجود
ان کے فرزند پہ کیوں باب اماں ہے مسدود
درِ توبہ ہے کھلا چاہیے خوفِ معبود
آلؐ کو چھوڑتے ہو قاریٔ قرآں ہو کر
جامۂ کفر پہنتے ہو مسلماں ہو کر

ایہا الناس کئے دیتا ہوں تم کو آگاہ
تاکہ حجت کوئی باقی نہ رہے عنداللہ
رہبرِ خضر ہے موجود نہ ہو تم گمراہ
کس کے پیرو ہو قیامت میں کہاں لو گے پناہ
آنکھیں کھولو جو پیمبرؐ کا ادب کرتے ہو
جاہلو دیدہ و دانستہ غضب کرتے ہو

جمعہ کے دن یہ محمدؐ کے نواسے پہ ستم
تم تو پانی پیو پیاسے رہیں سلطانِ امم
اب بھی ہے خیر نہ لو میان سے شمشیر دو دم
دے دو پانی پیئے اطفالِ امامِ عالم
عطشِ دخترِ شبیرؑ نہیں کیا معلوم
حالتِ اصغرؑ بے شیر نہیں کیا معلوم

ہم کو روکے ہوئے ہے سبطِ نبی کی غیرت
ورنہ اس طرح سے کہنے کی نہ آتی نوبت
سب طرح کی ہمیں اللہ نے دی ہے قدرت
حوصلہ دل کا نکالیں جو نہ روکیں حضرتؑ
طبقہ ارض الٹ جائے تو کچھ دور نہیں
زورِ حیدرؑ ہو عیاں شاہ کو منظور نہیں

فوج تھرانے لگی جب کہ سنی یہ تقریر
شرم سے سر بگریباں ہوئے اکثر بے پیر
دیکھ کر حال یہ نکلا پسرِ سعدِ شریر
دشمنِ دیں نے دیا حکم چلیں فوج سے تیر
طبل پر چوٹ پڑی لشکرِ کفار بڑھا
باگ اٹھی حضرتِ عباسؑ کا رہوار بڑھا

خاک اُڑی کفر کی مٹی ہوئی برباد و خراب
تھام لی فتح نے اسپ دو رکابہ کی رکاب
میان سے نکلی چمکتی ہوئی شمشیر خوش آب
آستیں چڑھتے ہی نازل ہوا لشکر پہ عذاب
کھینچ کر تیغ علمدارؑ دلیر آ پہونچا
گردنیں ڈال دیں گھوڑوں نے کہ شیر آ پہونچا

کھنچتے ہی تیغ دو پیکر کے بد اختر بھاگے
منقلب قلب ہوئے فوج کے افسر بھاگے
میمنہ ہو گیا پامال ستم گر بھاگے
میسرا والے سراسیمہ و مضطر بھاگے
یہ پرا توڑ گیا رخش وہ صف روند گیا
ابر میں ڈھالوں کے بجلی کی طرح کوند گیا

نہ چلی توسنِ چالاک سے حیلے سازی
دم بخود ہو کے عدو بھول گئے دم بازی
پشت پر اس کی تھا عباسِ علی سا غازی
اٹھا اک محشرِ تازہ جدھر آیا تازی
ہوش اڑاتا تھا لعینوں کے وغا سے پہلے
سر پہ اعدا کے پہونچتا تھا قضا سے پہلے

حملہ ور جب ہوا روباہوں پہ مانندِ اسد
منہ کے بل جنگ کے میداں میں گرے اہلِ حسد
تھے کہیں ڈھیر سروں کے کہیں انبارِ جسد
مل گئی خاک میں کفار کے لشکر کی رسد
فوجیں پامال ہوئیں غیرت صرصر نہ روکا
رک گئے ظالموں کے ہاتھ غضنفر نہ روکا

شور تھا جوش پہ ہے قلزمِ سرعت ان میں
کانپ اٹھا وحشتِ بلا آ گئی آفت رن میں
اس کی امت سے تھے آثارِ قیامت ان میں
بڑھتی جاتی تھی ادھر گھوڑے کی قوت ان میں
ساتھ رہوار کے مقتل کی ہوا جا نہ سکی
خاک اڑتی رہی پر گرد قدم پا نہ سکی

دھوم تھی گلشنِ عالم میں نہیں اس کا جواب
تھوتھنی غنچۂ فردوس پسینہ ہے گلاب
سر سے تا ناخنِ پا جلوہ نما مثلِ شہاب
چشمِ بدور کہو پتلیاں ایسی نایاب
تھے خجل شمس و قمر جاہ و حشم سے اس کے
رنگ دونوں کے اوڑے نقشِ قدم سے اس کے

غل تھا گر باگ کا راکب سے سہارا پائے
اس کی سرعت کو نہ پھر کوئی ستارا پائے
ہوا بھی داخلِ جنت جو اشارہ پائے
جب یہ حالت ہو تو کیا ذہن ہمارا پائے
آنے میں عاشقِ صادق کی طبیعت سے سوا
جانے میں صبرِ مریضِ تپِ فرقت سے سوا

قابلِ ذکر ہے کب کبکِ دری کی رفتار
اس کا اک طرز ہے اس رخش کے انداز ہزار
دم چمن ور کرنے پہ طاؤس ہو صدقہ سو بار
اڑنے میں نکہتِ گُل جھومنے میں ابرِ بہار

واہ رے چال ہوا بندہ گئی گلزاروں میں
ہے نسیمِ سحری غاشیہ برداروں میں

فوج کے دور میں پھرنے لگا مانندِ نظر
چرخ چکرا گیا دیکھا جو فرس کا چکر
ساتھ رہوار کے وہ گردشِ تیغِ حیدرؑ
کاٹ کر کاسۂ سر بھرنے لگی قیصرِ ستر

دامنِ گرد میں ہر جسم نہاں ہونے لگا
کشتوں پر ریت کے پشتوں کا گماں ہونے لگا

ہوش اعدا کے اُڑے ہاتھ کی تیاری سے
رُو سیاہ زرد پڑے تیغ کی خوں خواری سے
تیغیں عاری ہوئیں تلوار کی عیاری سے
ڈھالیں جل جل کے ہوئیں خاک شرر باری سے

چشمِ خورشید جھپکتی تھی چمک ایسی تھی
بجلیاں بجلی پہ گرتی تھیں دمک ایسی تھی

جن کا پیتی تھی لہو اُس پہ وہی تھے مفتون
حُسن دونا ہوا پہنا جو لباسِ گُل گون
چشمِ جوہر سے نہ چلتا تھا کسی کا افسون
وہ بناوٹ وہ سجاوٹ کے پری ہو کہ جنون

دلبرِ شوخ نے پایا نہیں پایا اس کا
دل کو پہلو سے اڑانے لگا سایا اس کا

جوہر انجم سے گراں قدر تھا پھل رشکِ ہلال
برق سے بڑھ کے تڑپ نیّرِ اعظم کا جلال
دنگ چار آئینے تھے خوں سے ڈھالیں تھیں نڈھال
کوہ کو کاہ سمجھتی تھی وہ ہنگامِ قتال

ہر طرف غل تھا ظفر کہیے کہ نصرت کہیے
کچھ نہ کہیے اسے اللہ کی قدرت کہیے

جانبِ لشکرِ کفار بلا بن کے چلی
ہو گئی روح فنا شکلِ قضا بن کے چلی
کفر کی شمع بجھی تند ہوا بن کے چلی
پھول زخموں کے کھِلے بادِ صبا بن کے چلی

بُرشِ تیغ سے صد چاک تھا دامن دل کا
طائرِ روح سے خالی تھا نشیمن دل کا

بُرشِ تیغ سے صد پاش سپر ہوتی تھی
درد کی طرح کبھی داخلِ سر ہوتی تھی
زینتِ چشم کبھی مثلِ نظر ہوتی تھی
ہمدمِ دل کبھی غم خوار ہوتی تھی
خوں بہاتی ہوئی سینوں میں سماتی آئی
جس طرف آئی نیا رنگ جماتی آئی

ان میں تڑپاتا تھا بے دینوں کو دم خم اُس کا
دم لبوں پہ تھے مگر بھر رہے تھے دم اُس کا
ایسی ناگن تھی کہ قائل تھا اک عالم اُس کا
دلِ دشمن میں اثر کرنے لگا سُم اُس کا
جلوہ اعدا کو دکھاتی تھی دمِ جنگ نیا
چال اس کی تھی نئی رنگ نیا ڈھنگ نیا

کاٹتی تھی کبھی گردن کبھی شانہ تلوار
کرتی تھی سوئے عدم سب کو روانہ تلوار
مانتی تھی کوئی حیلہ نہ بہانہ تلوار
ہاتھ بے مثل تھا نایاب زمانہ تلوار
خوف سے فوجِ ستم گار ہٹی جاتی تھی
کاٹ سے روح بھی اعدا کی کٹی جاتی تھی

مورچے ہو گئے پامال رسالے اتر
چوکیاں اٹھ گئیں ساحل سے ہٹے بانیِ شر
داخلِ نہر ہوا ساقیِ کوثر کا پسر
خضرِ تشنہ کا ہوا چشمۂ حیواں پہ گزر
شور پانی میں تھا سقائے حرم آ پہونچا
آبرو بڑھ گئی دریائے کرم آ پہونچا

تا بہ زانو ہوا پانی میں رواں رشکِ صبا
روک کر باگ بھری مشک دہانہ باندھا
دوش پہ رکھ کے چلا بازوئے شاہِ شہدا
اپنی چشموں سے لبِ نہر بہایا دریا
قبضہ پانی پہ کیا پھر بھی نہ سیراب ہوئے
اس طرح بحرِ وفا کے دُر نایاب ہوئے

اتنی مدت میں سمٹ آئے ہزاروں گمراہ
دل تھے فوجوں کے وہ ساحل پہ کہ خالق کی پناہ
شور تھا جانے نہ پائے سوئے خیمہ ذی جاہ
بجلیاں تیغوں کی تھیں ڈھالوں کا تھا ابر سیاہ
نیزے اٹھتے تھے چمکتی تھیں سنانیں لاکھوں
چلّے چڑھتے تھے کڑکتی تھیں کمانیں لاکھوں

وہ کگاروں کی بلندی وہ نشیب دریا
مثلِ انبوہ ملخ گھیرے تھے سب اہلِ جفا
کس کشاکش سے گیا نہر پہ شہؑ کا شیدا
کس مشقت سے برآمد ہوا وہ اہلِ وفا

سدِّ رہ موت ہے اب خیمہ میں جائیں کیوں کر
بارشِ تیر سے مشکیزہ بچائیں کیوں کر

پر نہ تھی فکر زہے ہمتِ سقائے حرم
مشک کو تاک کے بڑھنے لگے جب اہل ستم
غیظ میں آگیا پھر شیرِ خدا کا ضیغم
آستیں الٹی بڑھا رخش چلی تیغ دو دم

جان پر کھیل کے وہ عاشقِ داور نکلا
نہر سے بحرِ شجاعت کا شناور نکلا

تشنہ لب نہر سے نکلا دُرِ دریائے وفا
رخ کیا سوئے خیامِ حرمِ شاہِ ہدا
یک بیک جمع ہوئی پھر سپہ ظلم و جفا
گھر گیا فوج میں فرزند شہِ عقدہ کشا

تیر برساتے ہوئے ظالم خوں خوار بڑھے
تیغ تولے ہوئے عباسؑ علمدار بڑھے

وہی طاقت تھی وہی زور وہی تھا میدان
وہی تیور تھے وہی رعب وہی شوکت و شان
وہی راکب وہی مرکب وہی تیغ بُران
وہ صفائی کہ ہو آب دُرِ یکتا قربان

یوں لگا منہ پہ چڑھی اہلِ نظر مرنے لگے
جوہری جوہرِ شمشیر کا دم بھرنے لگے

ہو گیا برش شمشیر سے ہر سو اندھیر
گھاٹ پر چل گئی تلوار لگے لاشوں کے ڈھیر
قوت بازوئے سرورؑ سے زبردست تھے زیر
یا تھا نیزوں کے نیستان میں بپھرا ہوا شیر

منہ پہ تلواروں کے جرّار چڑھا جاتا تھا
اسپ جانباز سوئے خیمہ بڑھا جاتا تھا

واہ کیا تیغ تھی کیا ہاتھ تھا اور کیا رہوار
ہوتا تھا قوتِ خیبر شکنی کا اظہار
ہمسرِ تیغ دو پیکر تھی جری کی تلوار
یاد دُلدُل کی دلاتی تھی فرس کی رفتار

تنِ تنہا طرفِ قلعۂ فولاد آئے
تن کے حملے جو کئے شیرِ خدا یاد آئے

رخش بے مثل تھا شمشیرِ درخشاں نایاب
تھی یہ گرنے میں اگر برق وہ اٹھنے سحاب
یہ بلا تھی سرِ دشمن کے لیے اور وہ عذاب
مثل اس کا تھا زمانہ میں نہ اس کا تھا جواب

گھٹتا تھا زور عدوؤں کا حشم بڑھتا تھا
ہاتھ ان کا تھا رواں اُس کا قدم بڑھتا تھا

شور وہ فوج کا وہ طبل و جلال کی صدا
قتلِ عباسؑ کی تدبیر میں تھے اہلِ جفا
لاکھ بے دینوں سے لڑتا تھا وہ غازی تنہا
دس اگر قتل کیے بیس بڑھے بہرِ وغا

آتشِ تیغ سے کفار جلے جاتے تھے
آپ لڑتے ہوئے خیمہ کو چلے جاتے تھے

حملہ ور فوج پہ تھا شیرِؑ خدا کا دلدار
چھپ کے نوفل نے کیا دستِ یمیں پر اک وار
کٹ گیا بازوئے عباسؑ چھٹی خون کی دھار
دوسرے ہاتھ میں لی جھک کے جری نے تلوار

غل ہوا فوج میں ہاں شانِ غضنفر دیکھو
چوٹ کھانے سے ذرا شیر کے تیور دیکھو

کیا جری تھا اسدِ ضیغم ضرغامِ خدا
ہاتھ کٹنے سے نہ جرات میں ہوا فرق ذرا
تھا سنبھالے علم و مشک کو وہ اہلِ وفا
دوسرے ہاتھ پہ بھی تیغ چلی واویلا!

پانی لے جانے سے مایوس علمدار ہوئے
خون میں ڈوب گئے ہاتھوں سے لاچار ہوئے

مشک کو دانتوں سے اور شانے سے روکے تھے علم
ناگہاں آنکھ میں دو تیر در آئے پیہم
حال یہ دیکھتے ہی آئے قریں اہلِ ستم
جو قریب آ گیا وہ جھٹ سے گیا سوئے عدم

اس طرف اہلِ جفا تاک لگائے ہوئے تھے
مشک یہ دل کی طرح بَر میں چھپائی ہوئے تھے

ناگہاں مشک پہ اک تیر لگا بہہ گیا آب
چھد گیا قلب و جگر آنکھوں سے ٹپکا خوں ناب
زخم کاری جو لگا دے دیا قوت نے جواب
ڈگمگانے لگے اسپ دورکابہ پہ جناب

دل سے کہتے تھے فدا شہؑ پہ ہوا خوب ہوا
پَر ہے افسوس سکینہؑ سے میں محجوب ہوا

نیزوں پہ نیزے تھے تلواروں کے اوپر تلوار
تیرو گرزر کی تعداد نہ تیروں کا شمار
ہر بنِ مُو سے لہو بہتا تھا اعضا تھے فگار
ضعف سے جھک کے سنبھل جاتا تھا غازی ہر بار
چمنستانِ جوانی کو خزاں لوٹتی تھی
ان کے جھکنے سے شۂ دیں کی کمر ٹوٹتی تھی

سوگوارانِ علمدارؑ یہ ہے وقتِ بُکا
پیٹ کر سینہ و سر فاطمہؑ کو دو پُرسا
خانۂ زیں سے گرا چاہتا ہے اہلِ وفا
تان کر گرز حکیم ابنِ طفیل آگے بڑھا
دی صدا صبر و تحمل کی تو قوت دکھلاؤ
میں تو جب جانوں جو اس وقت بھی جرات دکھلاؤ

اُس سے کہنے لگے عباسؑ کہ او ظلم شعار
دل میرا صدمہ سے اس وقت کیا تو نے فگار
آیا اُس وقت کہ جب ہاتھوں سے میں ہوں لاچار
بولا وہ چاہتا ہوں سر پہ لگاؤں اک وار
ہنس کے فرمایا کہ افسانۂ جرات رہ جائے
ہاں لگا گرز ترے دل میں نہ حسرت رہ جائے

تان کر گرز کو آگے جو بڑھا وہ غدار
اُس طرف آپ نے ٹھکرا کے بڑھایا رہوار
سر پہ بے رحم نے پورا جو کیا گرز کا وار
دامنِ زیں ہوا سقہ کے لہو سے گلنار
کس زباں سے کہوں عباسؑ کا کیا حال ہوا
اسپ کی پشت سے حیدرؑ کا جدا لال ہوا

گرتے گرتے یہ صدا دی شۂ ذیشاں آؤ
قدمِ شاہؑ پہ خادم ہوا قرباں آؤ
نزع کے وقت ہو مشکل مری آساں آؤ
کشتیِ دینِ پیمبرؐ کے نگہباں آؤ
بحرِ آفت کے طلاطم سے بچاؤ آقا
وقتِ آخر ہے جمال اپنا دکھاؤ آقا

سُن کے آواز تڑپنے لگے سلطانِ اُمم
نوحہ گر خیمہ عصمت میں ہوئے اہلِ حرم
بین وہ زینبؑ مضطر کے وہ شورِ ماتم
پیاسے بچوں کی ہوئیں نرگسی آنکھیں پُرنم
غش سکینہؑ کو ہوا ضبط کا یارا نہ رہا
اشک جاری ہوئے پانی کا سہارا نہ رہا

پردہ داروں کے نگہباں تھے جناب عباسؑ
چھٹ پڑا کوہ الم ٹوٹ گئی بیٹوں کی آس
غیر حالت ہوئی باقی نہ رہے ہوش و حواس
کسی ہمدم کو نہ پایا شہِؑ مظلوم کے پاس
بھائی کو روتے ہوئے سیدِ ذی جاہ چلے
جانب نہر کمر پکڑے ہوئے شاہؑ چلے

آئے اس حال سے دریا پہ شہِؑ جن و بشر
بازو تھامے ہوئے حضرتؑ کی جلو میں اکبرؑ
پہونچے مقتل میں حسینؑ ابنِ علیؑ پیٹتے سر
لاشِ عباسؑ پہ رو رو کے پکارے سرور
یہ صلہ پال کے انتیس برس پایا ہے
اٹھو عباسؑ علمدار حسینؑ آیا ہے

سُن کے حضرت کی صدا ہوش میں آئے عباسؑ
مردنی چھائی تھی تھا چہرۂ پُر نور اُداس
کی نظر چہرۂ آقاؑ پہ بصد حسرت و یاس
بولے شبیرؑ بجا غم سے نہیں ہوش و حواس
چھوڑ کر مجھ کو شریکِ شہدا ہوتے ہو
ہائے کس وقت میں عباسؑ جدا ہوتے ہو

عرض کی شہؑ کے فدائی نے بصد رنج و الم
زخم کھانے کا مجھ غم نہیں یا شاہِؑ اُمم
چھد گئی مشکِ سکینہؑ مرے دل پہ ہے یہ غم
پانی مشکیزہ کا سب بہہ گیا اے وائے ستم
نہر سے خیمہ عصمت میں نہ جانے پایا
پیاسے بچوں کو میں پانی نہ پلانے پایا

ناگہاں ہو گئے آثار قیامت کے عیاں
روحِ عباسؑ ہوئی گلشنِ جنت کو رواں
رو کے فرمانے لگے سبطِ رسولؐ دو جہاں
چھٹ گیا مجھ سے صد افسوس میرا شیرِ ژیاں
رات بھر جاگے اب سوتے ہو بھائی عباسؑ
خوب دریا کی ترائی تمہیں بھائی عباسؑ

روئے اس طرح سے مقتل میں امامِؑ ابرار
خیمہ سے اہلِ حرم سب نکل آئے اک بار
بال چہروں پہ پریشاں کئے با حالتِ زار
اب وہ پُر درد بیاں ہے کہیں دل کو قرار
دخترِ سبطِ نبیؐ اشکوں سے منہ دھوتی ہے
دل پھٹا جاتا ہے اس طرح سے وہ روتی ہے

اک روایت میں ہے میداں میں گئی یوں ناداں
سر کھلے بال پریشان کیے با آہ و فغاں
پیٹ کر سینہ و سر کرتی تھی اس طرح بیاں
پیارے عمو تمھیں اب پائے بھتیجی یہ کہاں
صدقہ ہو جاؤں نہ اب پانی کی کچھ فکر کرو
گزری کیا تم پہ ذرا مجھ سے تو یہ ذکر کرو

میرے عاشق مرے شیدا میرے ذی شان چچا
اپنے بھائی کی سپر گھر کے نگہبان چچا
کس طرف آپ ہیں میں آپ پہ قربان چچا
کربلا میں ہوئے کس قوم کے مہمان چچا
سب کو بلوا کے یہاں اہلِ دغا نے لوٹا
مرے دادا کی کمائی کو قضا نے لوٹا

تم سے اعدا نے کی یہ بے ادبی ہائے غضب
کیا نہ معلوم تھی عالی نسبی ہائے غضب
بے وطن ہاشمی و مطلبی ہائے غضب
کچھ زباں سے تو کہو ابنِ علی ہائے غضب
کس طرح دل کو میں سمجھاؤں بتاؤ عمو
مر رہی ہوں مجھ پاس اپنے بلاؤ عمو

اس طرح قتل کے میدان میں تھی وہ گریاں
مضطرب غم سے ہوا قلبِ امامِ دو جہاں
پیار فرما کے یہ کرنے لگے شبیرؑ بیاں
منع رونے کو میں کرتا نہیں اے راحتِ جاں
شرم سے آنکھوں میں تاریک ہے عالم اٹھو
چل کے خیمہ میں بچھاؤ صفِ ماتم اٹھو

مرگِ عباسؑ سے بچی کے نہ تھے باقی ہوش
نوحہ خواں ان کی جدائی میں تھی رقت کا تھا جوش
ہائے تو گر نہ پڑا کیوں فلکِ ناحق کوش
دل پھٹا جاتا ہے بس روپ کنواری خاموش
کر دعا حق سے کہ حضرتؑ کی عزادار رہوں
اپنے مہراج کی الفت میں گرفتار رہوں

(6 فروری 1933ء لکھنو)

تائیدِ ایزدی

مطلع

''ترا کیسا پیارا یہ نام ہے جو حق سے تجھ کو عطا ہوا''

منقبت امیر المومنین
حضرت علیؑ

(20) بند

تائیدِ ایزدی

ترا کیسا پیارا یہ نام ہے کہ جو حق سے تجھ کو عطا ہوا
جبھی حق سے اتنا تو مل گیا کہ نہ فرق نام کو بھی رہا
تری شان دیکھ کے مرتضیٰ یہ کسی نے خوب ہی ہے کہا
لمعات وجھک اشرقت سلفات حُسنکِ اعتلا
بہ طلوعِ عارضِ شمس تو شب تار یا قمر الدجیٰ

ہے تری ولا میں سلامتی جو ترا عدو ہے وہ لعنتی
تجھے میں بھی اتنا ہوں جانتی تو ہے فاطمہؑ کا دھرم پتی
ترا در ہے باب اجابتی تو ہے شمعِ قصرِ رسالتی
دُرِ بحرِ فضل و کرامتی گلِ باغِ حُسن و لطافتی
چہ بہارِ رحمتِ آیتی بولائے دولت ھل اتیٰ

تو ہے نفسِ سیّدِ مرسلین ترا آسمان تری زمیں
جو نہ ہوتا کعبہ کا تو مکیں بھلا بنتا پھر یہ حرم کہیں
تو امامِ خلق و امامِ دیں تو اماں ہے سب کی تو ہی امیں
بہ نگاہ لطف و کرم ببیں کرمے بکن بمنِ حزیں
کہ سفر دترا ہمہ آں چنیں دل و جانِ حضرت مصطفیٰؐ

نہیں کس پہ امرِ منجلی تجھے حق نے اپنا کیا ولی
تیرے در پہ سب کو اماں ملی تجھے جب پکارا بلا ٹلی
ترا نام لیتے ہی یا علیؑ ہوئی شانتی گئی بیکلی
تو انیسِ خاطرِ بیدلی تو نصیبِ عاشقِ بسملی
گرہ ہے کشا کہ تو کاملی مثل السفینۃ انجا

جو نصیریوں نے تجھے کہا وہی میں کہوں تو نہیں روا
تو خدا کے بعد ہے ناخدا تو نبیؐ کے بعد ہے پیشوا
ہے لقب ترا شہِ لافتیٰ تو ہے زور بازوئے مصطفیٰؐ
تو ولی سرورِ اتقیاء تو وصی احمدِ مجتبیٰؐ
بفروغ آیتِ انما تو علیؑ و حیدرؑ و مرتضیٰؑ

تری ذات دافعِ درد و غم یہی روپؔ کماری کا ہے دھرم
کوئی بعد احمدِؐ ذی حشم نہیں شہِ اُمم
جو نہ لیتا کعبہ میں تو جنم نہ خدائی ہوتی بتوں کی کم
یوں ہی پوجتے عرب و عجم کہ تھا جہل اُن میں تیری قسم
وہ خدا کے گھر میں جو تھے صنم انھیں دم میں تو نے مٹا دیا

تو بہارِ باغِ نعیم ہے تو خدا کا فضلِ عمیم ہے
تو ہی فخرِ نوحؑ و کلیمؑ ہے ترا خُلق خُلقِ عظیم ہے
تو حلیم ہے تو رحیم ہے تو علیم ہے تو حکیم ہے
ترا قلب قلبِ سلیم ہے ترا نفس نفسِ کریم ہے
وہ خدا کا دشمنِ خاص ہے جو لعین تیرا عدو ہوا

تو قسیم جنت و نار ہے تو شفیعِ روزِ شمار ہے
ترے دم سے جی کو قرار ہے تو ریاضِ دیں کی بہار ہے
مددائے جہاں کے گرہ کشا مرا غم سے سینہ فگار ہے
دمِ یاس تو ہی انیس ہے تری ہر جہت میں پکار ہے
تو شکستہ حالوں کی آس ہے تو ہی ٹوٹے دل کا ہے آسرا

تو امیرِ عرشِ سریر ہے تو زمیں کا بدرِ منیر ہے
تو ہژبرِ ربِ قدیر ہے تو رسولؐ حق کا وزیر ہے
تری حرص کوئی اگر کرے وہ ذلیل ہے وہ حقیر ہے
تو بشر کی فرد میں فرد ہے نہیں تیرا مثل و نظیر ہے
تو جواں کی تیغِ اصیل ہے تو ہر اک ضعیف کا ہے عصا

سرِ عرش جب گئے مصطفیٰؐ تو وہاں بھی تیرا ظہور تھا
جو ادھر حبیب تھا جلوہ گر تو اُدھر تو حق کے حضور تھا
اُسے فاصلہ دو کماں کا تھا تو قریبِ ربِ غفور تھا
کہوں کیسے پردہ کی بات ہے کوئی راز اس میں ضرور تھا
وہ جو ہاتھ نکلا حجاب سے وہ کسی کا تیرے سوا نہ تھا

تو زبانِ حق تو بیانِ حق تو نشانِ حق ہے حقیقتاً
وہی تیری بات ہے یا علیؑ جو رسولؐ پاک کا تھا سخن
وہی عادتیں وہی خصلتیں وہی نفس تیرا وہی چلن
میں نثار تیرے شہِ زمن نظرے بمن کرمے بمن
تو ہی عاجزوں کا معین ہے تو ہی بیکسوں کا ہے آسرا

تو ہی منتخب تو ہی مجتبیٰ تو امیر ہے تو شۂ عرب
تو خدا کا بندۂ خاص ہے تو رسولؐ پاک کا ہم نسب
کہیں مرتضیٰؑ کہیں مقتدا کہیں ایلیاؑ ہے ترا لقب
تو خدا کے گھر کا مکین ہے ہوا کعبہ کعبہ ترے سبب
جو رہا تھا برسوں صنم کدہ اُسے قبلہ تو نے بنادیا

تو شہید ہے تو شہود ہے تو ولیِ ربِ ودود ہے
وہ بلند تیرا وجود ہے کہ خدا کا جس پہ درود ہے
ترے دم سے حق کی نمود ہے تو خدا کے دیں کا عمود ہے
تو قیام ہے تو قعود ہے تو رکوع ہے تو سجود ہے
تو غرضکہ کُلِّ نماز ہے ترا ذکر ذکرِ خدا ہوا

کوئی بعد احمدؐ مجتبیٰ نہیں مثل تیرا شۂ ہدیٰ
تو رئیس کشورِ قُل کفیٰ تو امیرِ مسندِ اِنّما
تو ہی دستِ حق تو ہی وجہِ حق تو ہی عینِ حق تو ہی حق نما
تو خدا کے خلق کا نا خدا ہے نصیریوں کا تو ہی خدا
تو اسد کی بیٹا کا لال ہے تو حسنؑ حسینؑ کا ہے پتا

تری گفتگو ہے کلامِ حق ہے پیام تیرا پیامِ حق
وہی نام تیرا جو نامِ حق وہی کام تیرا جو کامِ حق
ترے ساتھ حق ہے حقیقتاً تو مطیعِ حق تو امامِ حق
تری شان کیوں نہ بلند ہو ترا نام جبکہ ہو نامِ حق
تجھے حق نے بخشا ہے وہ شرف جو کسی کا بعد نبیؐ نہ تھا

تو خدا کا فضل ہے یا علیؑ تجھے کیوں نہ فضلِ خدا کہوں
نہ خدا کو تجھ سے ملا کہوں نہ خدا کو تجھ سے جدا کہوں
جو جدا کروں تو خطا کروں نہ خدا کہوں تو بجا کہوں
تجھے جبکہ میں نہ سمجھ سکوں تو تو ہی بتا تجھے کیا کہوں
تجھے سمجھا کوئی تو بس خدا جو خدا کے بعد تو مصطفاؐ

وہ جو مُہر کتفِ نبیؐ پہ تھی ترا نقشِ پا تھا وہ یا علیؑ
تجھے بعد ختمِ پیمبریؐ ملی حق سے مسندِ سروری
ہوئے جس قدر بھی مُنی رشی تری کر سکے نہ برابری
جو کسی نے کی تری ہمسری ہوئی اُس سے ذہن میں ابتری
کیا غصب جسنے کہ حق ترا اُسے کچھ بھی خوف خدا نہ تھا

تری اور نبیؐ کی ثنا میں پُر ہے کتابِ حق کا ورق ورق
وہ درود پاک کا اہل ہے تو سلامِ حق کا ہے مستحق
جو نبیؐ کا حق وہ ولی کا حق جو ولی کا حق وہ نبیؐ کا حق
ہے کتاب دونوں کی ایک ہی وہی مدرسہ وہی اک سبق
وہ رسولؐ ہے تو امام ہے یہی فرق گویا ہے ظاہراً

جو خدا کا سرِ خفی ہے تو تو نبیؐ کا محرمِ راز ہے
ترے اختیار میں کیا نہیں تو خدا کے گھر کا مجاز ہے
ترا نام ای سے علیؑ ہوا تیری ذات بندہ نواز ہے
مرے قلبِ زار و نزار کا تو ہی سوز ہے تو ہی ساز ہے
مری ناؤ عین بھنور میں ہے مری کر مدد مرے ناخدا

ہیں رسولؐ مہرِ مبیں اگر تو تجھے خدا نے کیا قمر
میں فدا ترے شہِ بحر و بر ترے در پہ سب کے جھکے ہیں سر
مجھے شام ہووے کہ ہو سحر ترا نام جپتی ہوں ہر پہر
نہیں روپ کنواری کو کچھ خطر کہ علیؑ سا اُس کا ہے راہبر
جو ہو ظلِ فضلِ رسول میں اُسے خوف روزِ حساب کیا

ساقی گلفام سے

مطلع

''ثنا کا دور ہے ہمنام مصطفیؐ ساقی''

منقبت حضرتِ حجّت العصرؑ

بند (9)

ساقی گلفام سے

ثنا کا دور ہے ہمنامِ مصطفےؐ ساقی
پلا وہ جام بڑھے قوتِ ثنا ساقی
وہ مے کہ جس کا ازل سے بنا خدا ساقی
ملے جو دست خدا سے تو ہے مزا ساقی
وہ جام دے کہ طبیعت کا جوش بڑھ جائے
چڑھے جو نشہ دلِ بادہ نوش بڑھ جائے

کدھر ہے اے مرے خضرا مقام گُل اندام
پلا دے ساقیِ کوثر کے نام پر اک جام
خدا کا فضل رہے تیرے میکدہ پہ مدام
رقم ہو فرد میں مستوں کے آج روپؔ کا نام
بڑھے جو نشہ ہو رنگِ سرور آنکھوں میں
میں دیکھ لوں تجھے ایسا ہو نور آنکھوں میں

وہ مے پلا جو کھنچی اہلبیتؑ کے گھر میں
وہ مے پلا جو ملی ہے شراب کوثر میں
وہ مے جو پیتے ہیں خاکِ شفا کے ساغر میں
وہ مے چھنی ہے جو آلِ عباؑ کی چادر میں
زباں پہ نام مئے پاک آگیا ساقی
خیالِ خام میں دل تلملا گیا ساقی

وہ جام جس پہ ہو تحریر مصطفےؐ کا نام
وہ جام جس پہ کہ کندہ ہو مرتضیٰؑ کا نام
وہ جام جس پہ کہ لکھا ہو مجتبیٰؑ کا نام
ہو جس پہ سرخی سے سلطانِ کربلا کا نام
میں ان کی لونڈی ہوں دے مجھ کو جام زہراؑ کا
ہو تہ میں نور کے حرفوں سے نام زہراؑ کا

پھر آج ماہ کے قدح میں آفتاب پلا
چمک سے محو ہو جس کی گنہ وہ آب پلا
جواز جس کا ہو قرآں میں وہ شراب پلا
ترے نثار مجھے آج بے حساب پلا
وہ جس کے نشہ میں خضرا کا راستہ مل جائے
میں آکے تجھ سے ملوں اور وہیں خدا مل جائے

میں تجھ پہ صدقہ ہوں اے میرے مہرباں ساقی
بتا دے کون سے پردے میں ہے نہاں ساقی
نہ دیر کر مجھے دے بادۂ جناں ساقی
کہ طبع بڑھ کے ہو کوثر سے کچھ رواں ساقی
پلا وہ جام کہ رنگِ سرور بڑھ جائے
گلابی آنکھیں ہوں اور ان کا نور بڑھ جائے

میں کب سے ڈھونڈ رہی ہوں ترا نشاں ساقی
نظر کے پردوں میں ہیں حسرتیں نہاں ساقی
سنا ہے آئیگا اب آخر الزماں ساقی
کرے گا سیر زمانہ کو بارھواں ساقی

بجائے ختمِ رسلؐ دور بادہ عام کند
اگر پدر نتواند پسر تمام کند

وہ مے پلا کہ ملی ہل اتی کے پردے میں
وہ مے عیاں جو ہوئی اِنّما کے پردے میں
وہ مے بتولؑ نے جو پی حیا کے پردے میں
جسے علیؑ نے پیا ہے خدا کے پردے میں

وہ مے جو عرشِ معلی پہ تھی کشید ہوئی
دوبارہ کھنچنے کی پھر خم میں جس کے عید ہوئی

بر آئے دل کی تمنا ہے آرزو ساقی
ازل سے مجھ کو ہے جس مے کی جستجو ساقی
دے اپنے ہاتھ سے صہبائے مشک بو ساقی
تو نشہ میں میں کروں تجھ سے گفتگو ساقی

منم کنیز علیؑ و علیؑ امامِ من ست
بدہ بدہ کر شراب من ست و جامِ من ست

کتابیات

1 اُردو مرثیہ
ڈاکٹر شارب رودولوی — شوبی آفسٹ پریس دہلی 1991ء
2 اظہار حق
ڈاکٹر سید تقی عابدی — گرافک پرنٹرز، ٹورنٹو 2003ء
3 بادۂ عرفان (مرثیہ: عروسِ نظم کی زینت ثنائے حیدرؑ ہے)
روپ کماری — مطبع یوسفی دہلی 1947ء
4 بیسوی صدی اور جدید مرثیہ
ڈاکٹر ہلال نقوی — محمدی ٹرسٹ، کراچی 1994ء
5 جذباتِ عقیدت (منقبت: ثنا کا دور ہے ہمنامِ مصطفیؐ ساقی)
6 رثائی ادب میں ہندوؤں کا حصہ
جعفر حسین خان جونپوری — اُردو پبلی شرز لکھنو 1973ء
7 رزم نگارانِ کربلا
ڈاکٹر سید صفدر حسین — سنگ میل پبلی کیشنز لاہور 1977ء
8 غیر مسلم مرثیہ نگار
سید امجد حسین — دہلی پریس 1975ء
9 کبیر وچناولی ہری اودھ — ڈائی منڈ آرٹ پرنٹرز 1990ء

10	مجتہدِ نظم مرزا دبیر		
	ڈاکٹر سید تقی عابدی		چغتائی پبلشرز۔ لاہور 2004ء
11	مثنویاتِ دبیر		
	ڈاکٹر سید تقی عابدی		شاہد پبلیکیشنز۔ دہلی 2005ء
12	مرثیہ نگارانِ اُردو		
	مرزا امیر علی بیگ جون پوری		اُردو پبلشرز۔ لکھنو 1986ء
13	مسدّس (مرثیہ: رہِ خدا میں بہتّر (72) کا سر دیا شہؒ نے)		
	روپ کماری		سرفراز پریس لکھنو 1973ء
14	نجم آفندی اپنے خطوط کے آئینے میں		
	جلیس ترمذی		پیسہ اخبار۔ لاہور 1977ء
15	ہندو مرثیہ گو شعرا		
	ڈاکٹر اکبر حیدری		شاہد پبلیکیشنز، دہلی 2004ء

روپ کنوار کماری

شخصیت، فن اور مجموعۂ کلام

[illegible]
ڈاکٹر سید تقی عابدی